حسن التقاضی فی سیرة امام ابی یوسف القاضی

مؤلفه : علامه المحدث شیخ زاہد الکوثری

اردو ترجمہ : آثارِ امام ابو یوسفؒ

ترجمہ وتہذیب: سید رئیس احمد جعفری ندوی

بشکریہ وتعاونِ خاص: عقیل قریشی مدیر کنوزِ دل بلاگ

آثار

امام ابو یوسف

آثارِ امام ابو یوسفؒ

رئیس احمد جعفری ندوی

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز

پرنٹرز ، پبلشرز ، بک سیلرز

کتاب منزل لاہور ــــــ بندر روڈ کراچی

سلسلہ مطبوعات نمبر ۴۵۲

ترجمہ و تہذیب . . . . سید رئیس احمد جعفری (ندوی)

طابع . . . . شیخ نیاز احمد

مطبع . . . . علمی پرنٹنگ پریس لاہور

ناشر . . . . شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

اشاعت . . . . پہلی سنہ ۱۹۶۰ء

•

- اپنے وقت میں دُنیا کی سب سے بڑی مملکت یعنی خلافتِ عباسیہ کے قاضی القضاۃ (لارڈ چیف جسٹس)،
- امام ابو حنیفہؒ کے سب سے زیادہ عزیز اور معتمد اور محبوب شاگرد،
- مجتہد مستقل،
- فقہ حنفی کے امام عالی مقام

امام ابو یوسفؒ

کے

حالات و سوانح، شخصیت، سیرت، کردار، اخلاق و صفات، کمالات و فضائل، اور علمی و عملی کارناموں کا مستند اور سبق آموز مجموعہ،

•

toobaa-elibrary.blogspot.com

فہرس

مباحثِ کتاب

○

آغازِ کلام (۱)

ابتدائیہ (۲)

(۹)

(۱۰)

(۱۱)

(۱۲)

اہلِ علم کا خراجِ تحسین ۴۸۱

(۱۳)

مؤلفات ابو یوسفؒ ۴۹۳

(۱۴)

مسائلِ متنازعہ فیہ پر امام ابو یوسفؒ کی رائے

(۱۵)

ابو یوسفؒ مالکؒ کی بارگاہ میں ۵۰۹

(۱۶)

محمد بن اسحاق اور ابو یوسفؒ

(۱۷)

ابو یوسفؒ اور شافعیؒ

(۱۸)

ابو یوسفؒ کا اخلاق وتلطف ۵۳۲

(۱۹)

ابو یوسفؒ کے کلمات ماثورہ ۵۴۲

(۲۰)

امام ابویوسف رح کے احکام و جوابات ۵۴۹

(۲۱)

مجلس ابوحنیفہ رح سے ابویوسف رح کا انقطاع ۵۵۵

(۲۲)

تدوین مذہب امام ابویوسف رح ۵۶۱

(۲۶)

(۲۷)

(۲۸)

ابو یوسفؒ قضایائے علیؓ کے حامل تھے

•

امام ابو یوسفؒ نے ابن ابی لیلیٰ سے کافی استفادہ کیا جو اموی اور عباسی حکومت کے زمانہ میں جانے ہوئے قاضی تھے، اور خاص طور پر علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور قاضی شریح کے طرز قضاۃ کے رمز آشنا تھے۔

•

ابو یوسفؒ کو علمی اور عملی طور پر ابن ابی لیلیٰ سے وہ احکام قضا بھی مل گئے جو قضایائے علیؓ و شریح پر مشتمل تھے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا علم کتنا وسیع تھا، اور اس موضوع کے ہر پہلو پر وہ کس طرح غالب اور قادر تھے، !

•

ابو یوسفؒ ذہبی کی نظر میں

"امام ابو یوسفؒ کے علم و سیادت کا چرچا ہر جگہ اور ہر کہیں ہے، میں نے ان کے اور امام محمدؒ کے لئے جو ان کے اصحاب میں تھے، خاص طور پر ایک رسالہ (مناقب میں) لکھا ہے"!"

(ذہبی)

○

امام احمد بن حنبلؒ کا خراجِ تحسین

•

"جب پہلے پہل میں نے کتبِ حدیث پر توجہ کی تو امام ابو یوسفؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، جو قاضی شہر تھے، چنانچہ میں نے ان سے بہت سی حدیثیں لکھیں، اس کے بعد پھر دوسرے لوگوں کے پاس کتابتِ حدیث کا مقصد لے کر پہونچا۔"

•

"امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ سے زیادہ ابو یوسفؒ میں ہم کشش محسوس کرتے تھے۔"

(امام احمد بن حنبلؒ)

•

ابو یوسفؒ اثبت فی الحدیث اور اصح الروایت تھے

•

"اصحاب رائے میں ابو یوسفؒ سے زیادہ اثبت فی الحدیث اور اصح الروایت میں نے کوئی اور شخص نہیں دیکھا، !"

•

"ابو یوسفؒ صاحب حدیث تھے، صاحب سنّت تھے، !"

•

"ہمارے پاس ابو یوسفؒ آئے اور انہوں نے ساری فضا فقہ سے بھر دی، !"

(یحییٰ بن معینؒ)

•

ابو یوسفؒ کو فقہ پر عبور تام تھا

ابن الثلجی کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن داود الخریبی کو کہتے ہوئے سنا کہ :-
"ابو یوسفؒ کو فقہ پر عبور تام حاصل تھا علم (فقہ) کا ہر گوشہ
ان کی نظر میں تھا وہ جس طرح چاہتے تھے اسے استعمال کرتے
تھے، اسے پورے طور پر انہوں نے اپنی گرفت میں لے لیا
تھا ـــــــ "۱

ابو یوسفؒ کی نزاکتِ بیان اور حُسنِ کلام

حسین بن الولید کہتے ہیں :-

"میں نے ایک روز دیکھا کہ ایک مسئلہ غامضہ پر ابو یوسفؒ گفتگو کر رہے ہیں، زبان اس طرح چل رہی تھی جیسے تیر بے خطا، اکثر لوگ نزاکت بیان و معنی کی بنا پر ان کا مفہوم پورے طور پر نہیں سمجھ سکے، ہم سب اس بات پر بہت متعجب تھے، اور بڑی دیر تک آپس میں چہ میگوئیاں کرتے رہے کہ خدا نے اس شخص کے لئے زبان و بیان کا جوہر کس طرح مسخر کر دیا ہے اور ہر مشکل اس کے لئے کس درجہ آسان کر دیا ہے"

○

مخالفین کے دل میں ابو یوسفؒ کی عزت و عظمت

ابن حبانؒ کہتے ہیں :۔

"اگرچہ ہمیں ابو یوسفؒ سے اختلاف ہے لیکن یہ اختلاف ہماری اس رائے میں حائل نہیں ہو سکتا جو ہر انسان کی عدالت اور جرح سے متعلق واقعات و حقائق کی روشنی میں ہم قائم کرتے ہیں، چنانچہ ہم نے زفرؒ اور ابو یوسفؒ کو ثقات میں داخل کیا ہے، کیونکہ روایت حدیث کے سلسلہ میں ان دونوں کی عدالت ہم پر ظاہر ہو چکی ہے، لیکن اس طبقہ میں جو لوگ ان دونوں کے پایہ کے نہیں ہیں۔ انہیں بے شک ہم نے ضعفاءؒ میں شمار کیا ہے اور ان سے احتجاج ہم جائز نہیں سمجھتے، !"

○

امام ابو یوسفؒ کا لازوال علمی کارنامہ

•

امام ابو یوسفؒ کا لازوال علمی کارنامہ کتاب الخراج ہے، !

یہ کتاب اپنی جامعیت، افادیت اور اہمیت کے اعتبار سے یگانہ اور منفرد ہے،

اتنی صدیاں گذر چکیں، لیکن آج بھی کتاب الخراج کی عظمت قائم ہے اور شاید مدتوں بلکہ ہمیشہ قائم رہے گی۔

اس کتاب میں روح اسلام بھی ہے، روح عصر بھی، یہی وجہ ہے کہ یہ زندہ رہے گی،

○

امام ابو یوسفؒ

امام ابو یوسفؒ کا بہت بڑا، اور لازوال کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے فقہ کو اس طرح منظم کیا، اور ایک فن کی حیثیت سے اس طرح اسے مرتّب اور مدوّن کیا کہ وہ علماء کے حلقے سے نکل کر حکومت کے ایوان میں پہنچ گئی، اور، معاملات و مسائل کے فیصلے اسی کے ماتحت ہونے لگے،!

آغازِ کلام

فقہ حنفی کے ائمہ میں، امام ابو یوسفؒ کا نام نامی، علمی اور تعلیمی حلقوں میں بہت زیادہ معروف و مانوس ہے، وہ اگرچہ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد، تھے اور اسی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے تھے جو امام صاحب کا تھا، لیکن بایں ہمہ، وہ خود بھی اپنے وقت کے بہت بڑے امام اور مجتہد تھے۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ فقہ حنفی کو، علمی اور اصولی طور پر مالا مال کرنے میں، امام ابو یوسفؒ کا بہت بڑا حصہ ہے، خوبئ قسمت سے، وہ منصب قضا پر فائز ہوئے، اور بہت جلد، خلافت عباسیہ کے، جو اپنے وقت کی سب سے بڑی اسلامی حکومت تھی، بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں، جو دنیا کی سب سے بڑی، مہذب، متمدن، اور منظم حکومت تھی قاضی القضاۃ (لارڈ چیف جسٹس)، بن گئے۔

اس منصب پر فائز ہونے کے بعد انہیں مسلمانوں سے، عیسائیوں سے، یہودیوں سے، مجوسیوں سے، مشرکوں سے، دہریوں سے، مرتدوں سے سابقہ اور واسطہ پڑا، اور جو کچھ انھوں نے پڑھا تھا، اُسے بروئے کار لانے کا موقعہ ملا، اس مدت میں بہت سے ایسے مسائل سامنے آئے، جو درسی کتب میں موجود نہیں تھے، ایسے مسائل سے بھی وہ دو چار ہوئے، جو درسی کتب میں موجود تھے۔ جنہیں وہ پڑھ چکے تھے، لیکن جنہیں بروئے کار لانے میں، بہت سی پیچیدگیاں تھیں، موانع تھے، وہ مسائل بھی ان کے سامنے آئے، جو تبدیلئ احوال کے باعث غور و فکر کے محتاج تھے،

وہ اگر صرف مفتی ہوتے تو ان کے لئے فتوے دے دینا اور اپنی ذمہ داریوں سے علیحدہ برآ ہو جانا بہت آسان تھا، لیکن وہ صرف مفتی ہی نہ تھے، قاضی بھی تھے، اور قاضی بھی ایک مقام کے نہیں دنیا کی سب سے بڑی مملکت کے قاضی القضاۃ، ان کے فیصلوں کو نافذ کرنے پر حکومت مجبور تھی، اور یہ فیصلے صرف مسلمانوں پر اثر انداز نہیں ہوتے بلکہ کسی نہ کسی حد تک، بلکہ بڑی حد تک ان کا اثر، غیر مسلموں پر بھی پڑتا تھا، اور یہ غیر مسلم وہ تھے، جو بغداد میں اور ممالک اسلامیہ میں مسلمانوں کے محکوم تھے، لیکن دوسرے مقامات پر حکمراں قوم تھے، اور اس تاک میں رہتے تھے کہ مسلمانوں کو، ان کی شریعت کو، ان کی فقہ کو، ان کے قانون ملکی کو بدنام اور متہم کرنے کا موقعہ ملے، لہٰذا امام صاحب، صرف ایک مولوی اور ایک مفتی کی حیثیت سے فتویٰ نہیں دے سکتے تھے، بلکہ مصالح عامہ اور مصالح مملکت کے رموز کو پیش نظر رکھ کر انہیں فیصلے کرنا پڑتے تھے۔ مصالح عامہ سے میری مراد یہ ہے کہ وہ مسائل، جو عامہ مسلمین سے تعلق رکھتے تھے اور اپنی حرج و ضرر کے لئے وہ شرعی سہولت کے طالب ہوتے تھے، اور مصالح مملکت سے میری مراد وہ مصالح ہیں، جو غیر مسلموں، جن میں عیسائی، یہودی، مجوسی، مشرک، وغیرہ سب شامل ہیں، سے تعلق رکھتے تھے، اور جن کے بارے میں خاص طور پر اسلام بہت زیادہ روادار اور وسیع القلب ثابت ہوا ہے۔،

لہٰذا ضروری تھا کہ اس منصب پر فائز ہونے کے بعد، وہ اپنے علم کا پھر سے جائزہ لیں، اپنے معلومات کو از سرِ نو کھنگالیں، اپنے مکتب فکر کے انداز و اسلوب پر ایک تنقیدی نظر ڈالیں، اور خالی الذہن ہو کر قرآن کریم کا مطالعہ کریں، تفسیر قرآن پر ایک نظر ڈالیں، حدیث نبوی سے استفادہ کریں، آثار صحابہ کو پیش نظر رکھیں، اور ان سب کو سامنے رکھ کر کوئی فتویٰ دیں، کوئی فیصلہ صادر کریں۔

امام صاحب نے یہی کیا، اور انہیں یہی کرنا بھی چاہیے تھا،!

لیکن اس کی بہت گراں قیمت انہیں ادا کرنا پڑی، لفظ پرستوں نے انہیں ہدف مطاعن بنایا، جو لوگ اپنے حلقہ کے سوا باہر نظر ڈالنا گناہ سمجھتے تھے، انہوں نے طنز و تعریض کے تیر پھینکے، تعصب و تحزب میں جو حضرات مبتلا تھے، انہوں نے بے تامّل، الزام تراشیاں شروع کر دیں، جو اپنے

مکتب فکر کے سوا دوسرے حلقوں کو بر سر غلط سمجھنے کے عادی تھے ان کے نزدیک امام صاحب کا ہر فتویٰ، ہر اجتہاد، ہر نظریہ غلط تھا، خلاف شرع تھا، لہٰذا ناقابل قبول تھا، کچھ ایسے لوگ تھے جو پوری دیانت داری کے ساتھ اصولی طور پر اس کے مخالف تھے کہ کوئی عالم حکومت کا منصب قبول کرلے، انہوں نے جب امام صاحب کو قاضی القضاةؒ کی حیثیت سے دیکھا تو ان کی ہر بات کو، ____________ خواہ وہ اپنے ساتھ دلائل کا کتنا بڑا پشتارہ کیوں نہ رکھتی ہو، ____________ حکومت کے دباؤ پر محمول کرنے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ ہجوم اعتراضات والزامات میں امام صاحب کی ذات گم ہوگئی، ان کے صفات بھی اوجھل ہوگئے۔

"تند و تیز آندھی جب آتی ہے، تو بے شک آفتاب عالمتاب کا چہرہ انور کچھ دیر کے لئے روپوش ہوجاتا ہے"!

لیکن کیا ہمیشہ کے لئے؟

بہرحال جلد یا بدیر آندھی ختم ہوتی ہے، اس کے نقوش و اثرات ختم ہوجاتے ہیں، اور آفتاب پھر پہلے کی طرح جگمگانے لگتا ہے"!

یہی صورت امام ابو یوسفؒ کے ساتھ بھی ہوئی۔

ہجوم اعتراضات والزامات میں کچھ عرصہ کے لئے بے شک ان کا روئے زیبا نظر سے اوجھل ہوگیا۔ لیکن جب گرد و غبار کا طوفان رکا، تو ان کی ہستی پھر جلوہ ریز ہوگئی، اور اس روشنی سے دنیا کسب نور کرنے لگی۔

تحزب اور تعصب سے ہٹ کر، ان کے افکار و خیالات اور مجتہدات و فتاویٰ کا مطالعہ کیا جانے لگا، اور محسوس کیا جانے لگا کہ وہ تو امام برحق تھے، ان کے مجتہدات فقہ اسلامی (حنفی نہیں) کا بیش بہا سرمایہ ہیں، انہوں نے فقہ کو فقہ بنا دیا، وہ نہ ہوتے تو شاید فقہ کا علم اس درجہ مدوّن، مرتّب، منظّم اور مکمل نظر آتا جتنا آج آرہا ہے۔

اس سے بڑھ کر بدقسمتی کی بات کیا ہو سکتی تھی کہ اس مجتہد کبیر کے حالات و سوانح سے اردو زبان محروم

تھی، اردو زبان ہی پر کیا موقوف ہے، خود عربی میں کوئی قابل ذکر سرمایہ موجود نہیں جس زمانہ میں اس سرمایہ کو پیش نظر رکھ کر، مطول کتابیں لکھی جا سکتی تھیں کوئی خاص توجہ نہ کی گئی، پھر یورش تاتار، اور مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگیوں نے جب بڑے بڑے شہروں کے ساتھ، نادر اور عدیم المثال کتب خانوں کو بھی برباد کر دیا، تو تلاش و جستجو شروع ہوئی، ———— کریدتے ہو جواب خاک جستجو کیا ہے؟

لیکن تحقیق و ریسرچ کرنے والے ان موانع کو خاطر میں نہیں لاتے، مصر کے فاضل جلیل، محمد زاہد بن الحسن الکوثری نے، نہ صرف مصر کے، نہ صرف دمشق کے، نہ صرف آستانہ (قسطنطنیہ) کے بلکہ دنیا کے دور دراز ممالک کے کتب خانوں کو کھنگالا، نادر و نایاب بلکہ ناپید کتابوں تک رسائی حاصل کی، اور ہزاروں صفحات پڑھ کر اس عظیم و جلیل موضوع پر یہ مختصر سی کتاب تحریر فرما دی، کراچی کے کتب خانہ مجلس علمی کی نایاب کتابوں کی فہرست میں یہ کتاب میری نظر سے گذری، اور میں نے اس کے مباحث اردو میں منتقل کر لئے، اس سلسلہ میں مہتمم کتب خانہ مولانا محمد طاسین صاحب نے جو غیر معمولی سہولتیں اور آسائشیں مجھے بہم پہنچائیں، ان کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں"!

رئیس احمد جعفری

۸۹ - ٹیگور پارک لاہور۔

الاهداء

•

اپنی مادرِ علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ)

کے نام، !

قفا نبک من ذکری حبیبٍ و منزلِ

رئیس احمد جعفری

اِبتدائیہ

موضوعِ زیرِ بحث کی دشواری، کتبِ متعلقہ کی
نایابی، تحقیق و تجسس کی راہ میں موانع اور مشکلات، نادر
اور نایاب کتابوں کی فراہمی اور ان سے استمداد
قلمی کتابوں کی تلاش، اور ان سے استفادہ، قدیم
کتب خانوں کے بحرِ ذخار سے گوہرِ مقصود کا
حصول، !

•

دنیا میں جتنے اعاظم رجال گذرے ہیں، ان کے احوال و سوانح کی جستجو لوگ اس لئے کرتے ہیں کہ ان سے مستفید ہوں، آنے والی نسلیں ان کے نقش قدم پر چلیں، اور اپنی زندگی کو اسی سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کریں،

تاریخ اسلام کی یہ بدقسمتی ہے کہ اکابر اسلام سے متعلق اس کا ذخیرہ بہت محدود ہے، خاص طور پر وہ اکابر جنہوں نے اپنی عمر کا سارا حصہ تدوین علوم، تحقیق و تمحیص اور درس و افتا میں گذارا ہے۔

اسی لئے یہ کام بہت دشوار ہو گیا ہے، لیکن سعی و کوشش کے دروازے ہر ایک کے لئے کھلے ہوئے ہیں، اور اللہ تبارک تعالےٰ کسی کی سعی و کوشش رائے گاں نہیں کرتا من جدّ وجد، جو کوشش کرے گا وہ اپنی کوشش کا پھل بھی ضرور پائے گا۔

زیر نظر موضوع بھی ایسا ہی دشوار موضوع ہے، لیکن جہاں تک انسانی سعی و کوشش کا تعلق ہے، اس موضوع کی تشنگی دور کرنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کی گئی ہے،

السّعیُ مِنّی وَالاِتمامُ مِنَ اللّٰہِ۔

تقدیم

میں نے اس کتاب کا نام "حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی" رکھا ہے، اس کتاب میں جو مواد میں نے پیش کیا ہے، اگر آدمی اتنے سے بھی واقف نہ ہو، تو وہ امام عظیم ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری رضی اللہ عنہ کے احوال و سیرت سے آشنا ہونے کا ذرا بھی دعوےٰ نہیں کر سکتا اور یہ جہل بجائے خود حسرت انگیز اور افسوسناک ہے۔

خصوصیات امام ابو یوسفؒ

ائمہ مجتہدین کے گروہ میں امام ابو یوسفؒ وہ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے مسائل قضائیہ میں علم و عمل کے مابین جمع و تدوین کا فریضہ انجام دیا، وہ مسلسل، تین خلفاء کے زمانہ میں قاضی القضاۃ (جسے موجودہ زمانہ میں لارڈ چیف جسٹس کا ہم مرتبہ سمجھنا چاہیے) کے منصب پر فائز رہے، تین خلفاء سے ہماری مراد ذیل کے خلفاء ہے۔

خلیفہ مہدی !

خلیفہ ہادی !

خلیفہ ہارون رشید !

مقام بلند

امام ابو یوسفؒ، ۱۶۶ھ سے ۱۸۲ھ تک یعنی جب تک انہوں نے داعی اجل کو لبیک نہیں کہا، مسند قضا پر متمکن رہے،

امام صاحب اپنی سیرت اور شخصیت کے — اعتبار سے یگانہ اور فرد فرید تھے،

قضا کی دنیا میں انہوں نے اپنی غیر فانی، اور لازوال یادگاریں چھوڑی ہیں، جو رہتی دنیا تک ان کے نام نیک کو زندہ رکھیں گی، ان کے کارناموں کے سامنے، جس طرح اسلاف اور متقدین ادب سے سر جھکاتے تھے، اسی طرح اخلاف اور متاخرین بھی سر خم کرنے پر مجبور ہیں،

جمیع اقطار اسلامیہ میں قاضی صاحب کے فقہی اجتہادات، ان کی وسعت نظر، ثروت نگاری اور وسعت معلومات کا ڈنکہ بجتا رہا، اور ہر ملک کے لوگ ان کے علمی فیوض سے مستفید اور بہرہ ور ہوتے رہے، بے اندیشہ تردید امام یوسف کے بارے میں یہ بات کہی جاسکتی ہے، کہ انہوں نے جو مقام حاصل کر لیا تھا، اس پر کوئی اور فائز ہو سکا، نہ ان کی زندگی میں، نہ ان کے بعد،

امام صاحب کا انداز اجتہاد امام صاحب کی اس مدتِ حیات کا جو منصب قضا پر گزاری اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی رائے پختہ اور محکم تھی، ان کا اسلوب فکر و نظر منجھا ہوا، اور ثمر آور تھا، ان کے صادر کئے ہوئے احکام عدل پر مبنی تھے، بڑے بڑے پُرپیچ مقدمات وواقعات کے ایک ایک جزئیہ پر نظر ڈال کر، وہ ایسی جچی تلی، اور مبنی بر عدل رائے قائم کرتے تھے کہ اسے قبول کئے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آتا،

چنانچہ امام صاحب کی وفات کے بعد دیکھ بڑی حد تک ان کی زندگی میں بھی، قضاۃ اور حکام مجبور تھے کہ اسی راستے پر چلیں جو امام صاحب نے اختراع کیا تھا، تحقیق مسائل کے سلسلہ میں وہی اصول اختیار کریں جو امام صاحب نے وضع کیا تھا، مشرق و مغرب کی تاریخ قضا جو کئی صدیوں پر مشتمل ہے اسی حقیقت کی نقیب اسی دعوے کا ثبوت ہے، امام صاحب کے بتائے ہوئے راستے پر یہ گام زنائی اندھی تقلید اور اندھا دھند پیروی کا نتیجہ نہ تھی بلکہ تحقیق کے متمنی کا فتوی بھی یہی تھا، عالم اسلام کے مختلف خطوں اور رقبوں، اقلیموں اور ملکوں میں بہت سے فقہی مذاہب رائج تھے، اور وہ سب اپنے ساتھ دلائل اور فکر عمیق کا توشہ رکھتے تھے، لیکن با ایں ہمہ کسی کے لئے بھی یہ ممکن نہ تھا کہ وہ امام ابو یوسفؒ کی فکر و نظر سے اپنے آپ کو بے نیاز رکھ سکے، کیوں؟ اس لئے کہ امام صاحب کا منہج اتنا قوی، ان کا مسلک اتنا راست، اور ان کی فکر اتنی عمیق تھی کہ اس سے رستگاری ممکن ہی نہ تھی، وہ کتابیں جو آداب قضا پر لکھی

گئی ہیں، نیز وہ کتابیں جو اخبار قضاۃ پر مشتمل ہیں، امام صاحب کے ذکر و نظر کی داستان سے بھری ہوئی ہیں۔

پھر کتنے افسوس اور دکھ کی بات تھی کہ جس امام عظیم کے علم پر اتنے عظیم اور بے شمار احسانات ہوں، لوگ اس کے احوال و سوانح، اس کی منزلت اور رتبے، اس کی شخصیت اور سیرت سے بھی واقف نہ ہوں، جس کی ذات گرامی مآثر و مفاخر سے لبریز ہو، اس کے بارے میں ہمارے معلومات کا دائرہ اگر بہت زیادہ وسیع نہ ہو، تو بھی کم از کم اتنا تو ہو، کہ ہم اپنے آپ کو اس سے بالکل ناواقف نہ قرار دے سکیں۔

تاریخ قضا کا اہم باب

جو شخص تاریخ قضا سے واقف ہونا چاہے یا جو اس راستے پر گامزن ہونا چاہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں سے ——— اور ان معلومات پر مشتمل متعدد کتابیں ہیں ——— واقف ہو۔ نیز یہ بھی ضروری اور لازمی ہے کہ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ میں سے جو حضرات منصب قضا پر فائز رہ چکے تھے، یا جو صاحب افتاء تھے، ان کے فتاوے اور اقضیہ بھی اس کی نظر میں ہوں، دور مابعد کی تاریخ قضا بھی اس کے پیش نظر ہو بغیر اس کے منزل تک رسائی ممکن نہیں، ان معلومات سے متعلق بیشتر کتابیں اپنے اپنے وقت میں منقول ہو چکی ہیں، مثلاً، سنن سعید بن منصور، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، اور ادب قضا، اور احوال قضاۃ سے متعلق بہت سی کتابیں، تاکہ مختلف احوال مواقع کے مطابق حکم لگانے، فتوے دینے اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے،

یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں، اہل علم نے ایسی کتابوں کی تالیف پر مخصوص توجہ کی جو قضاۃ اسلام کے احوال و سوانح اور تذکرہ جات پر مشتمل تھیں۔

اسمار کتب

ذیل میں ہم ایسی چند کتابوں کے نام درج کرتے ہیں، جو موضوع مذکورہ پر مشتمل ہیں،

اخبار القضاۃ | یہ قاضی محمد بن خلف، المعروف بہ وکیع قاضی کی تالیف ہے۔
قاضی صاحب کا انتقال ۳۰۶ھ میں ہوا تھا، ان کی یہ کتاب نادر و نایاب کتابوں میں شمار ہوتی ہے، اس کے دو نسخے مکتبہ بنی جامع، اور مکتبہ محمد مراد، و آستانہ، قسطنطنیہ میں موجود ہیں، پہلے نسخہ کی نسبت ابن کامل الشجری کی طرف غلط ہے، اس مخطوط نسخہ کا فوٹو جامعہ مصریہ نے حاصل کر لیا ہے اور مصر میں اس کی طبع و اشاعت کا اہتمام جاری ہے، گر حدود حب بستی کے ساتھ اس کی تحقیق و تصحیح کے سلسلے میں مشہور جرمن مستشرق، ڈاکٹر یوزف شاخت نے بڑی محنت کی ہے؛

یہ بڑی گراں مایہ کتاب ہے، اپنے موضوع کے اعتبار سے، نادر معلومات و حقائق کا گنجینہ، اگرچہ یہ نسخہ اسقام سے خالی نہیں، اور ان کی تصحیح و تحقیق بہت دشوار اور مشکل کام ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اپنے موضوع پر یہ ایسی قیمتی دستاویز ہے اور خاص طور پر قضاۃ اسلام کے ایسے ایسے واقعات اس میں موجود ہیں جن سے اس کی افادیت اور اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے،

قضاۃ مصر | قضاۃ کے احوال و سوانح پر مشتمل، ایک اور بڑی قابل قدر اور گراں بہا کتاب "قضاۃ مصر" ہے، یہ الکندی کی تالیف ہے، اور چھپ چکی ہے،

رفع الاصر عن قضاۃ مصر | یہ ابن حجر عسقلانی کی کتاب ہے، اس کے ذیل ابن حجر کے شاگرد سخاوی نے لکھا ہے، یہ بھی اپنے موضوع پر بڑی دلچسپ اور معلومات افزا کتاب ہے۔

النجوم الزاہرہ فی قضاۃ مصر والقاہرہ | یہ کتاب سبط ابن حجر کی ہے، موضوع نام سے ظاہر ہے، لہٰذا اس کی افادیت اور اہمیت بھی ظاہر ہے یہ کتاب اب تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی۔

قضاۃ قرطبہ اس کے مصنف محمد بن حارث الخشنی ہیں، یہ کتاب چھپ چکی ہے۔

قضاۃ الاندلس اس کے مصنف ابوالحسن علی بن عبداللہ النباہی ہیں، یہ آٹھویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں، یہ کتاب مصر سے چھپ چکی ہے۔

الثغر البسام فی ذکر من ولی قضاء الشام یہ حافظ شمس بن طولون دمشقی کی تالیف ہے، حافظ صاحب دسویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں، یہ کتاب بھی اپنے موضوع پر بڑی اہم اور معلومات افزا ہے،

تاریخ قضاۃ اوپر جن کتابوں کا مذکور ہوا، یہ ساری کتابیں قضا کی تاریخ، اور قضاۃ کے احوال و سوانح پر مشتمل ہیں، اور زیر نظر کتاب کے دوران تالیف میں ان سے استفادہ کا کوئی موقع میں نے ہاتھ سے نہیں جانے دیا،

موضوع کے ساتھ انصاف امام ابویوسفؒ کی شخصیت علمی منزلت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھی، اجتہاد کی دنیا میں بھی وہ مرتبہ بلند پر فائز تھے، ان کے حالات و سوانح کی جمع و تدوین میں جتنے معتبر اور مستند مصادر ہو سکتے تھے، سب میں نے پیش نظر رکھے ہیں، جن روایات پر تکیہ کیا ہے، وہ بھی اصدق الروایات کا درجہ رکھتی ہیں،

اسی موضوع پر مطبوعہ اور غیر مطبوعہ لٹریچر اور قلمی نسخے، عام کتب خانوں، اور مخصوص لائبریریوں کا میں نے جائزہ لیا ہے، اور ان سے استفادہ کرنے میں اور صحیح تر معلومات و مواد حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ہے،

یہ مواد میں نے مختلف طریقوں سے جمع کیا ہے، ان کتب اور ان ابواب سے بھی جو براہ راست اس موضوع سے متعلق ہیں، ان کتب اور ان ابواب سے بھی جن میں ضمناً امام صاحب سے متعلق معلومات ملتے ہیں، میں نے ان سب کی خوشہ چینی کی ہے، اور ان سے زیادہ سے زیادہ بہرہ ور ہوا ہوں اور اپنی طرف سے اس بات کی پوری سعی کی ہے کہ اپنے موضوع کے ساتھ پورا پورا انصاف کروں، اور صاحب سوانح کی

کا کوئی گوشہ حتی الامکان تشنہ نہ چھوڑوں تاکہ پڑھنے والوں کے سامنے جو چیز آئے وہ بہمہ وجوہ لائق اعتماد ہو، اور تحقیق و تجسس سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب اس سے صحیح طور پر متمتع اور مستفید ہو سکیں۔

فکر و نظر کے نئے گوشے

میں نے اس کتاب کی ضخامت کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی ہے، یہ مختصر ہے اور شاید بہت زیادہ مختصر ہے، لیکن اس کے باوجود جتنا بھی صحیح اور مستند مواد مجھے مل سکا اس کی روشنی میں امام صاحب کے احوال و سوانح کا صحیح خاکہ مرتب کرنے کی مخلصانہ کوشش ضرور کی ہے۔

یہ دعویٰ تو میں نہیں کر سکتا کہ اس کتاب کو لکھ کر ہر مکتب فکر کے تمام لوگوں کو خوش اور راضی رکھ سکوں گا کیونکہ جانتا ہوں، یہ ایسا دعوےٰ ہے، جو کبھی بھی سچا نہیں ثابت ہو سکتا، ہر دور میں اور ہر مسلک کے پیروؤں میں ایسے لوگ کسی نہ کسی تعداد میں ضرور موجود ہوتے ہیں، جو صرف اپنی کہتے ہیں، دوسرے کی نہیں سنتے اور جو اپنے افکار و خیالات میں اس درجہ غرق ہوتے ہیں کہ پھر نہ دلیل کی طرف توجہ کرتے ہیں، نہ ثبوت کی طرف، ظاہر ہے ایسے لوگوں کو کون مطمئن کر سکتا ہے، لیکن اس مخصوص صورت حال سے قطع نظر دوسرے لوگ، جو واقعات کو واقعات کی حیثیت سے دیکھنے کے خوگر ہیں، انہیں ایسا مواد ضرور ملے گا، جس سے فکر و نظر کے نئے اور قابل غور گوشے نظر کے سامنے آجائیں گے۔

طبقات فقہاء

اس کتاب میں آگے چل کر میں نے دوران کلام میں طبقات فقہا پر بھی گفتگو کی ہے۔

طبقات فقہا پر گفتگو اس لئے ناگزیر تھی کہ بغیر اس کے ہم اپنے اصل موضوع یعنی امام ابو یوسفؒ کے احوال و سوانح پر صحیح طور سے روشنی نہیں ڈال سکتے تھے، ممکن ہے بعض اصحاب اس کے بارے میں یہ خیال کریں کہ اسے اصل موضوع سے کوئی تعلق نہیں لیکن میرا ایسا خیال نہیں ہے، اسے نظر انداز کر دینے کے بعد میرے خیال میں اصل موضوع تشنہ اور نامکمل رہ جاتا اور کتاب کی افادیت اور اہمیت میں ایک طرح کی کمی رہ جاتی، لہٰذا تکمیل سخن کے لئے اس ناگزیر مبحث پر مختصر سی گفتگو کرنا ہی پڑی۔

حسب نسب

امام ابو یوسفؒ مدینہ کے ایک انصاری خاندان سے تعلق رکھتے تھے، یہاں تک تو کوئی اختلاف نہیں، لیکن سال ولادت اور سال وفات میں اختلاف ہے اس لئے کہ کتب وفیات کی تدوین بہت دیر میں ہوئی لہٰذا مولہٖ میں غلطی کا ہونا مقتضائے بشریت تھا، پھر بھی اس غلطی کی تصحیح امکانی حد تک کر دی گئی ہے۔

O

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم انصار مدینہ کو بہت عزیز و محبوب رکھتے تھے۔ احادیث میں بار بار ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ملتی ہے، آپ نے فتح مکہ کے بعد بھی انصار سے محبّت اور تعلق کی بنا پر مدینہ ہی میں اقامت اختیار کی، اور آخر وقت تک وہیں مقیم رہے، انصار کے لے اس سے بڑھ کر فخر و مباہات کی بات اور کیا ہو سکتی تھی کہ نبی علیہ السلام ان کے درمیان تشریف فرما ہیں،

انصار نے ہر نازک وقت پر اسلام کی گراں بہا خدمتیں انجام دی ہیں۔ امام ابو یوسفؒ بھی ایک انصاری خاندان سے تعلق رکھتے تھے، انہوں نے بھی اپنے دور میں اسلام کی سب سے بڑی خدمت انجام دی، ——— تدوین فقہ، ان کا یہ کارنامہ رہتی دُنیا تک انہیں زندہ رکھے گا، !

O

حسب نسب — خاندان

سال ولادت اور وفات میں اختلاف اور اس کی تحقیق

امام ابو یوسف کا پورا شجرۂ نسب یہ ہے :-

"ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن بجیر بن معاویہ بن قحافہ بن نفیل بن اروس، بن عبد مناف بن اسامہ، بن سحمہ بن سعد بن عبد اللہ بن قدار، بن معاویہ، بن ثعلبہ، بن معاویہ، بن زید، بن العوذ بن بجیلۃ الانصاری البجلی رضی اللہ عنہ،"

سعد بن بجیر

اس شجرہ میں بن سعد کا حبیب کے والد کی حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے، یہ صحابی تھے، غزوۂ احد کے موقع پر رافع بن خدیج، اور ابن عمر کے ساتھ آں حضرت ؐ کی خدمت میں پیش کئے گئے تھے، لیکن چونکہ یہ چھوٹے تھے اس لئے شرکت جنگ کی اجازت نہ ملی، البتہ غزوۂ خندق کے موقع پر، اور بعض دوسرے مابعد غزوات میں یہ شریک رہے، پھر کوفہ چلے آئے، یہیں انتقال ہوا، زید بن ارقم رضی اللہ عنہما نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، پھر ان کا خاندان یہیں رہ پڑا۔

ابو یوسف رح کا فخر

ابن عبد البر نے "استیعاب" میں لکھا ہے کہ :—

"آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق کے موقع پر، سعد بن حبتہ کی طرف

نظر اٹھائی تو ملاحظہ فرمایا کہ نوعمر (حدیث السن) ہونے کے باوجود بڑی بے جگری اور دلیری سے مقابلہ کر رہے ہیں، آں حضرت ؐ نے سعدؓ سے پوچھا،

"اے لڑکے تو کون ہے؟"

سعدؓ نے جواب دیا،

"میرا نام سعد بن حبتہ ہے،

———!"

یہ سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

"شاباس، آؤ میرے قریب آجاؤ!"

سعدؓ آں حضرت ؐ کے قریب آکر کھڑے ہو گئے، آپ ؐ نے سعد کے سر پر ہاتھ پھیرا،!"

امام ابو یوسف ؒ اس واقعہ پر بہت فخر کیا کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے،

"آں حضرت ؐ کے دستِ مبارک کے مس کرنے کی برکت آج بھی محسوس کرتا ہوں"!"

ابن حبتہ کیوں؟

سعد کو ابن حبتہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ حبتہ بن خوات، بن جبیر الاوسی، صحابی جلیل کے بیٹے تھے، جیسا کہ ابن عوام نے جو اصحاب نسائی میں سے تھے، اور طحاوی نے ذکر کیا ہے۔

ذہبی اور خطیب کی روایت

ذہبی نے بھی مناقب ابو یوسف ؒ کا ذکر کرتے ہوئے، اس واقعہ کا ذکر کیا ہے،

ابن عبد البر اور خطیب نے حبتہ بنت مالک کو ابن الکلبی پر اعتماد کرتے ہوئے بنو عوف میں شمار کیا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے؛

اسی بنا پر یہ روایت بھی ہے کہ سعد کے والد بجیر نے، خوات بن جبیر کو اپنا حلیف بنا لیا تھا،

اور اس کے بعد اپنے بیٹے سعد کی شادی حبتہ سے، جو خوات کی بیٹی تھیں کر دی، ذہبی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ حبتہ خوات انصاری کی بیٹی تھیں، اور سعد کا نسب بجیلہ سے ملتا تھا۔

سال ولادت

امام ابو یوسفؒ کا سال ولادت، طحاوی ۱۱۳ھ بتاتے ہیں، اکثر تذکرہ نگار اور سوانح نویس اسی قول پر گئے ہیں اور اسی کو درست تسلیم کرتے ہیں،

سال وفات

لیکن مورخ فقیہ ابو القاسم علی بن محمد اسمانی (المتوفی ۴۹۹ھ) نے روضۃ القضاۃ میں، جو موضوع قضا پر بہترین کتاب ہے تحریر فرمایا ہے:۔

"ابو یوسفؒ کا جب انتقال ہوا تو ان کی عمر ۸۹ سال کی تھی، !"

ابن فضل اللہ العمری نے بھی "مسالک الابصار" میں یہی لکھا ہے، نیز صاحب "اخبار الاول" اور مولف "روضات الجنات" کا رجحان بھی اسی طرف ہے، اس اعتبار سے امام صاحب کا سال ولادت ۹۳ھ ہونا چاہیے، کیونکہ ان کی وفات ۱۸۲ھ میں ہوئی تھی، اور اس سال وفات پر سب کا اتفاق ہے۔

سہو قلم کا نتیجہ

۱۱۳ھ اور ۹۳ھ کے مابین تفاوت عظیم ہے، میرے خیال میں تو بات یوں ہے کہ بعض قدیم نسخوں میں ان کا سال وفات حروف کے بجائے اعداد میں یوں لکھا ہوگا، ۹۳ھ، لیکن بعد میں ۹ نمبر ا سے بدل گیا، کیونکہ ۹ کا سر واضح نہ ہوگا، لہٰذا پڑھنے والوں نے اسے ۹ کے بجائے ا پڑھا، اور اس طرح ۹۳، ۱۳ ہو گیا، اور چونکہ کسی طرح بھی امام صاحب کی ولادت ۱۳ھ میں نہیں مانی جا سکتی تھی، لہٰذا ۱۳ سے پہلے ۱ کا ہندسہ اور بڑھا کے ۱۱۳ھ کر دیا، اور چونکہ یہ عام قاعدہ ہے کہ اکثر لوگ سنین جب لکھتے ہیں تو سن کی صدی اڑا دیتے ہیں دہائی پر اکتفا کرتے ہیں اس طرح ۹۳ کا ۱۳ ہوا، اور وہ ۱۱۳ بن گیا اور مورخین نے اسی کو سال ولادت قرار دے لیا، اور بات گویا تسلیم کر لی گئی:

. . . .

سال ولادت کی تحقیق ہمارے اس خیال کی تائید، حافظ ابو عبداللہ محمد بن مخلد العطار (سال وفات ۳۳۱ھ) کے قول سے بھی ہوتی ہے، انہوں نے اپنی مشہور کتاب "ما رواہ الاکابر عن مالک" میں تحریر فرمایا:۔

"ہم سے محمد بن ہارون نے ان سے ابو موسیٰ انصاری نے بیان کیا کہ مجھ سے ابو یوسف القاضی نے کہا،

"کچھ مدت ذرا اور گذرنے دو پھر لوگ مدینہ کے ایک نوعمر یعنی مالک کی طرف رجوع ہوں گے"!"

یہ کتاب کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں موجود ہے اس کا نمبر ۹۸ ہے، اس کی سماعت بہت سے حفاظ نے کی ہے،

اگر امام ابو یوسفؒ، امام مالکؒ سے عمر میں بڑے نہ ہوتے، یا کم از کم ان کے اقران میں نہ ہوتے، تو اس انداز میں امام مالکؒ کا ذکر نہیں کر سکتے تھے، اور اس سے ذرا دیر کے لئے قطع نظر کرلیں تو بھی یہ ماننا پڑے گا کہ امام ابو یوسفؒ کا، امام مالکؒ کے ساتھ جو برتاؤ اور رویہ تھا۔ وہ اقران و اماثل ہی کا تھا لہٰذا اگر امام ابو یوسفؒ امام مالکؒ سے عمر میں بڑے نہیں تھے، تو چھوٹے بھی نہیں تھے، جب یہ بات ٹھہری تو ان کا سال ولادت ۱۱۳ھ کے بجائے ۹۳ھ ہی ماننا پڑے گا،

کتب وفیات کی تدوین میں تاخیر کا نتیجہ موالید اسلاف کی تاریخ میں اختلاف کبیر اور اضطراب عظیم کی وجہ یہ ہے کہ کتب وفیات کی تدوین بہت دیر میں ہوئی،

واقدی سے پہلے کوئی شخص ایسا نہیں ملتا جس نے فن تراجم پر باقاعدہ توجہ کی ہو، اور واقدی کا سال وفات ۲۰۷ھ ہے، واقدی نے ابو یوسف کے عہد کا کچھ حصہ دیکھا تھا، یہی وجہ ہے کہ اس طبقہ کے وفیات کی تاریخ میں تو وہ شاذ و نادر ہی غلطی کرتا ہے، لیکن موالید کی تاریخ میں اکثر غلطیاں کر جاتا ہے، کیونکہ پہلی صورت دید ہے، اور دوسری صرف شنید ؏

مجلس درس

زمانہ کے ساتھ اس کے انداز و اطوار بھی بدلتے رہتے ہیں، وضع وروش میں بھی تبدیلی ہوتی رہتی ہے، آج کے کالجوں یونیورسٹیوں، اور دانش گاہوں سے، آج سے ۱۲ سو برس پہلے کے اندازِ تعلیم کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، استاد اور شاگرد کے جو روابط پہلے تھے وہ اب نہیں ہیں، سو آج ہیں کل نہ ہوں گے، تاریخ ماضی کے اوراق اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ آج سے ۱۲ سو برس پہلے کا نظام تعلیم کیا تھا؟ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ !

•

امام ابو حنیفہؒ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فقہہ اسلامی کو ایک معیّن اصول اور ضابطہ کے ماتحت مدوّن اور منضبط کیا، ان کے شاگردوں میں وہ لوگ ہیں جو آگے چل کر امام وقت کہلائے۔

امام صاحب کا اصول کار یہ تھا کہ ان کی مجلس میں مسئلہ زیر غور کے تمام پہلوؤں پر بحث و گفتگو ہوتی تھی، ہر شریک مجلس آزاد تھا، کہ جو رائے چاہے پیش کرے ہر رائے پر غور کیا جاتا تھا، اسے کتاب و سنت کی روشنی میں پرکھا جاتا تھا، آثار و؟ کی کسوٹی پر کسا جاتا تھا، اور تحقیق و تمحیص کے مرحلوں سے گذارا جاتا تھا۔

پھر کامل بحث و مباحثہ اور تحقیق و تمحیص کے بعد انشراح قلب کے ساتھ جس رائے پر اتفاق ہو جاتا تھا، اسی پر فتوے دے دیا جاتا تھا، خواہ وہ رائے استاذ اور امام (ابو حنیفہ) کی ہو۔ یا تلمیذ اور شاگرد ابو یوسفؒ، محمدؒ، زفرؒ وغیرہ کی ہو،

یہ اسلوب کار فقہہ حنفی کے ساتھ خاص ہے، کسی دوسری فقہی مجلس تحقیق میں یہ بات نظر نہیں آتی، !

ابو یوسفؒ مجلس ابو حنیفہؒ میں

موسےٰ ابن حزام کہتے ہیں کہ ہم سے خلف ابن ایوب نے بیان کیا، میں نے سنا کہ امام ابو یوسف فرما رہے تھے:۔

مجلس درس میں شرکت کا شوق

"میں ابن ابی لیلیٰ کے پاس جایا کرتا تھا، وہ میرا بڑا لحاظ کرتے تھے، ان کا معمول تھا کہ جب کوئی نازک اور پیچیدہ مسئلہ در پیش ہوتا تو وہ امام ابو حنیفہؒ سے رجوع کر کے مشکل حل کر لیا کرتے، یہ دیکھ کر میرا بھی جی چاہتا کہ امام صاحب کی خدمت میں حاضری دوں، لیکن کچھ ایسا حجاب دامنگیر تھا کہ یہ ارادہ قوت سے فعل میں نہ آسکا، اسی اثناء میں میرے اور ابن لیلیٰ کے تعلقات کچھ کشیدہ ہو گئے، چنانچہ میں نے ان کی مجلس میں حاضر ہونا ترک کر دیا اور امام ابو حنیفہؒ کی مجلس میں حاضری دینے لگا"،

ابو عبداللہ بن مندہ الحافظ نے سند کے ساتھ حارثی سے بحوالہ ابو یوسفؒ روایت کی ہے کہ مجلس ابی لیلیٰ کے انقطاع کا سبب چھین چھپٹ تھا۔ واقعہ یہ ہوا کہ ابن ابی لیلیٰ کی صاحبزادی کے نکاح پر جب حاضرین مجلس کے سامنے خرمے بکھیرے گئے تو ابو یوسفؒ نے بھی لوٹے، ابن ابی لیلیٰ نے یہ کہتے ہوئے ابو یوسفؒ کو اس سے روکا

" اس طرح کی لوٹ مکروہ ہے "

ابو یوسفؒ نے جواب دیا،

" بے شک لوٹ مکروہ و ممنوع ہے لیکن عساکر میں، نہ کہ شادی بیاہ کے موقعوں پر! "

یہ سنکر ابن ابی لیلیٰ کا رنگ رخ بدل گیا، ابو یوسفؒ کہتے ہیں پھر میں ابو حنیفہؒ کی مجلس میں حاضری دینے لگا۔ بات یہ ہے کہ ابن ابی لیلیٰ کو یاد نہیں رہا کہ مورد نہی کیا ہے اور انسان خطا کا پتلا تو ہے ہی، ابن ابی لیلیٰ سے غلطی ہوگئی، چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ ایک موقع پر (خرمے وغیرہ) حاضرین پر پھینکے گئے۔ لیکن لوگ الگ تھلگ بیٹھے رہے انہیں لوٹا نہیں، یہ دیکھ کر نبی علیہ السلام نے فرمایا:

" تم لوگ لوٹتے کیوں نہیں ؟ "

انہوں نے عرض کیا،

" آپ ہی نے تو منع فرمایا ہے "!

" فرمایا میں نے صرف عساکر میں دغنیمت کے لوٹنے سے منع کیا ہے اس سے نہیں خوب لوٹو۔ "!

استاذ کی طرف سے بیش قرار مالی امداد

خطیب بغدادی نے علی بن حرملہ التیمی سے خود امام ابو یوسفؒ کی یہ روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

" میں حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کر رہا تھا، لیکن میری مالی حالت نہایت خراب اور خستہ تھی، ایک روز میں امام صاحب کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ میرے والد آئے۔ انہیں دیکھ کر میں اٹھ کھڑا ہوا، اور ان کے ساتھ باہر چلا آیا، میرے والد نے مجھ سے کہا،

" بیٹے! ——— تم ابو حنیفہؒ کے قدم بہ قدم نہیں چل سکتے، خدا کے فضل سے ان کے پاس سب کچھ ہے، جو چاہیں کھائیں جو چاہیں پئیں، اس کے برعکس

تمہارا کیا حال ہے ہاتم معاش کے محتاج ہو؟"

والد کی یہ بات میرے دل میں ترازو ہوگئی، میں نے حصولِ علم کی طرف توجہ کم کردی اور حصولِ معاش کی سرگرمیوں میں مصروف ومنہمک ہوگیا، کیونکہ والد کی مرضی یہی تھی، اور ان کی مرضی پر بہرحال مجھے چلنا چاہئے تھا،

امام صاحب نے جب یہ دیکھا کہ ان کی مجلس علمی میں میری حاضری گنڈے وار ہوگئی ہے، تو میرے بارے میں دریافت فرمایا ایک روز جب میں حسب معمول دیر سے پہنچا تو سوال کیا کہ:

"تم کہاں رہتے ہو؟ پابندی سے آتے کیوں نہیں ہو؟"

میں نے جواب دیا،

"شغل معاش میں مصروف رہتا ہوں، والد کا یہی حکم ہے۔"

پھر میں بیٹھ گیا، جب مجلس برخاست ہوئی اور لوگ چلے گئے، تو امام صاحب نے ایک تھیلی میری طرف بڑھائی، اور فرمایا،

"اس سے اپنا کام چلاؤ۔"

میں نے دیکھا تھیلی میں ایک سو درہم تھے۔

امام صاحب نے فرمایا،

"یہ رقم جب ختم ہوجائے تو مجھے بتا دینا، لیکن مجلس درس میں اب پابندی سے آیا کرو۔"

میں نے پابندی سے مجلس درس میں حاضر ہونا شروع کر دیا،

کچھ مدت کے بعد، امام صاحب نے سو درہم کی ایک تھیلی پھر مجھے عطا کی، اور درس میں حاضری کی تاکید فرمائی،

اس کے بعد تو یہ معمول ہوگیا کہ نہ جانے کس طرح وہ محسوس کر لیتے کہ میرے پاس رقم ختم ہو چکی ہے، اور فوراً پھر سو درہم کی ایک تھیلی عطا فرما دیتے، حالانکہ میں نے

کبھی نہ ان سے رقم طلب کی، نہ یہ بتایا کہ رقم ختم ہو چکی ہے، یہاں تک کہ امام صاحب کی اس داد و دہش کا یہ نتیجہ نکلا کہ میری حالت بہتر ہو گئی، اور میں ٹھاٹھ سے زندگی بسر کرنے لگا،" ! "

اعتراف احسان ایک روایت یہ بھی ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے والد کا جب انتقال ہوا، تو یہ بہت چھوٹے تھے، اور مذکورہ واقعہ کی نسبت والد کی طرف نہیں بلکہ والدہ کی طرف ہے، لیکن یہ حکایت سراسر بے بنیاد ہے، اس کے راوی محمد بن الحسن ابن زیاد النقاش المقری صاحب "شفاء الصدور" ہیں، جو تفسیر کی ایک کتاب ہے، لیکن ان کی روایت سنداً اعتبار سے خارج ہے،

آگے چل کر پہلی روایت کی توثیق کرتے ہوئے خطیب نے امام ابو یوسفؒ کی زبان سے یہ روایت درج کی ہے :

"پھر میں نہایت پابندی کے ساتھ امام ابو حنیفہؒ کی مجلس میں حاضر ہونے لگا، یہاں تک کہ میری کوئی حاجت اور ضرورت ایسی نہ تھی جو باقی رہ گئی ہو، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی حسن نیت اور برکت کے باعث میرے لئے آئندہ زندگی میں علم اور مال کے دروازے کھول دیئے، خدا میری طرف سے انہیں اچھا صلہ، اس سلوک اور نوازش کا عطا کرے، اور ان کی مغفرت فرمائے" !

الموفق کے تفصیلات دوسری روایتوں سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ مذکورہ بالا قصہ امام ابو یوسفؒ کے والد ہی کا ہے، والدہ کا نہیں، حسن بن ابی مالک اور عبدالحمید الحمانی کی روایت سے بھی یہی ثابت ہے، اس سلسلہ میں مزید تفصیل درکار ہو تو خوارزمی کی کتاب "الموفق" سے رجوع کی جائے،

شوق علم کی انتہا امام ابو یوسفؒ کو امام ابو حنیفہؒ کی ذات سے اتنا گہرا ربط پیدا ہو گیا تھا، اور ان کی مجلس درس سے ان کے شغف و انہماک کا یہ عالم تھا کہ دنیا کا ہر کام چھوڑ رکھتے تھے۔ گو مجلس درس کی حاضری

ترک کرنے پر آمادہ نہ تھے،

محمد بن قدامہ، شجاع بن مخلد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے امام ابو یوسف کو کہتے ہوئے سنا:

"میرے لڑکے کا انتقال ہو گیا، لیکن نہ میں نے اس کی تدفین و تجہیز میں حصہ لیا، نہ تکفین ہی، یہ سارا کام میں نے اپنے پڑوسیوں اور عزیزوں پر چھوڑ دیا، مجھے یہ دھڑکا لگا تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ میں مجلس درس سے بچھڑ جاؤں اور یہ حسرت رہ جائے کہ فلاں وقت میں موجود نہ تھا"!

شاگرد کی منزلت استاذ کی نظر میں

عباس ابن حمزہ، اسحاق بن ابی اسرائیل سے، اور وہ حسان بن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک مرتبہ امام ابو حنیفہؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ وہ فرما رہے تھے:

"ابو یوسفؒ کی طرح کسی نے بھی اتنی پابندی سے حاضری نہیں دی، اگر داؤد طائی نے بھی اس کے نقش قدم کی رہروی کی ہوتی تو لوگ اس سے بھی اسی طرح نفع اندوز ہوتے"!

احسان شناسی

ابو یوسفؒ زندگی بھر اپنے استاذ ابو حنیفہؒ اور ابن ابی لیلیٰ کا ذکر اجلال و اکرام کے ساتھ کرتے رہے، اور ہمیشہ ان کے ثناخواں اور مدّاح و رطب اللسان رہے

اسی احسان شناسی نے انکے علم میں برکت عطا فرمائی!

•

امام ابو حنیفہؒ کی منزلت اور عظمت کس دل میں جاگزین نہیں ہے ، ؟

وہ امام اعظم کے لقب سے ملقب ہیں ، ملت اسلامیہ کی غیر معمولی اکثریت انہی کی مقلد ہے ،

ابو یوسفؒ ابو حنیفہؒ کے شاگرد تھے ، اور ابو حنیفہؒ کو اپنے اس شاگرد پر فخر تھا ،

بارگاہ امام اعظم میں جو آیا ، وہ کہیں سے کہیں پہنچ گیا ،

لیکن ابو یوسفؒ وہ تنہا شخص تھے جو ان کے جانشین بلا اختلاف بن گئے ۔

•

کوفہ

چپّہ چپّہ پہ ہیں یاں گوہرِ یکتا تہِ خاک

دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز!

آج کوفہ ایک خرابہ ہے،!

لیکن کیا کل بھی وہ ایسا ہی تھا؟

تاریخ کے اوراق کوفہ کی عظمت پہ گواہ ہیں،

یہ شہر مسلمانوں نے آباد کیا، اس کی تعمیر مسلمانوں کے ہاتھوں ہوئی، اور بہت جلد یہ مرجع انام بن گیا، یہ صرف فوجی چھاؤنی ہی نہ تھا، بلکہ علم اور معرفت کا مرکز بھی تھا، تحقیق و تحمیص کے چشمے یہیں سے پھوٹتے تھے، قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں یہیں کے در و دیوار سے ٹکراتی تھیں،

امیر المومنین حضرت علیؑ کے عہد سعادت میں تو خاص طور پر اس کی عظمت اور منزلت میں اضافہ ہو گیا، یہاں اصحاب رسول ﷺ کی ایک بڑی جماعت بھی پہونچ گئی، حضرت علی اور قاضی شریح نے تاریخ قضا میں جو ناقابل فراموش اور لازوال کارنامے، یادگار چھوڑے ہیں ان کی جستجو یہیں کے کھنڈروں ہی کی جا سکتی ہے،

اور امام ابو یوسفؒ تو حضرت علیؓ اور قاضی شریحؒ کی قضا کے سب سے بڑے مناد کا ابدی پیرو تھے،

کوفہ کی علمی عظمت و اہمیت

امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے عہد میں

فتح عراق کے بعد، ۱۷ھ میں کوفہ کی بنا پڑی، حضرت عمرؓ کوفہ کی اہمیت بہت زیادہ محسوس کرتے تھے، یہاں کی سرزمین پر انہوں نے عرب کے فصیح و بلیغ اور زباں آور قبائل کو آباد کیا، اس دور میں کبار صحابہ کی ایک بہت بڑی جماعت بھی یہاں آئی، اور اس کا معقول حصہ یہیں رہ پڑا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ میں

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، مشہور صحابی رسول صاحب ابن ام عبد رضی اللہ عنہ کے نام سے بھی معروف ہیں حضرت عمرؓ کے بھیجے ہوئے یہاں تشریف لائے، تاکہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں، اور دین کے مسائل سمجھائیں حضرت عمرؓ کی نظر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی منزلت کا کیا عالم تھا، اس کا اندازہ ان الفاظ سے ہوگا، جو انہوں نے اس سلسلہ میں اہل کوفہ سے فرمائے تھے:

"عبداللہ کو تمہارے پاس بھیج کر میں تمہیں اپنے اوپر ترجیح دے رہا ہوں"!

حضرت عمرؓ کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے کبر

منزلت کی کیا کیفیت تھی ؟ —————— یہ کہ پایۂ تخت میں ہر طرح کے فقہاؒ اور عالم صحابہ کرامؓ کی موجودگی کے باوصف خلیفۂ وقت ان کی ضرورت اور اہمیت سے اپنے آپ کو بے نیاز نہیں کر سکتا تھا،

حضرت ابن مسعودؓ کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، !

"جو قرآن کو اس طرح پڑھنا چاہے جس طرح وہ نازل ہوا ہے تو اسے چاہیے کہ ابن ام عبد کی قرأت کے مطابق اسے پڑھے، !"

نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"میں اپنی امت کے لیے اس بات سے راضی ہوں، جسے اس کے لیے ابن ام عبد پسند کرے، !"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعودؓ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے، !

"ابن مسعود کا سینہ علم کا گنجینہ ہے، !"

کوفہ میں فقہ وسنت کی نشر واشاعت

کتب سنت میں اخبار وارده، اور احادیث صحیحہ سے ابن مسعودؓ کی وسعت علم، اور منزلت ومناقب پر روشنی پڑتی ہے، اس صحابی جلیل نے کوفہ میں فقہ وسنت کا علم پھیلانے، اور لوگوں کو دین کی حقیقت اور مسائل حیات سے روشناس کرانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، حضرت عمرؓ نے انہیں .... کوفہ بھیجا اور اواخر خلافت عثمان رضی اللہ عنہ تک ان کی ساری سرگرمیاں اور مساعی اسی ایک کام کے لیے وقف رہیں، چنانچہ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کوفہ میں فقہا کا گروہ کثیر دیکھ کر بہت متعجب اور مسرور ہوئے، انہوں نے ابن مسعودؓ سے فرمایا، !

"تم نے تو اس قریہ کو علم اور فقہ سے لبالب بھر دیا ہے، !"

چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد، اور ان کے شاگردوں کے شاگرد ہی

کی تعداد چار ہزار نفوس کے لگ بھگ پہنچتی ہے، یہ لوگ اس شہر کے جگماتے ہوئے چراغ تھے، جن سے علم کی کرنیں پھوٹتی تھیں،

حضرت علی اور اجل صحابہ کا ورود کوفہ میں

حضرت علی رضؓ نے جب کوفہ کو اپنا پایہ تخت بنا لیا، اور اجل صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت نے کوفہ میں ڈیرا ڈال لیا، تو یہاں کی مسجدوں اور مدرسوں سے فقہ و حدیث کے آوازے گونجنے لگے، کوئی گوشہ ایسا نہ تھا، جہاں علوم دینی کی تعلیم کا سلسلہ جاری نہ ہو، چنانچہ اگر یہ کہا جائے تو ذرا مبالغہ نہ ہوگا کہ سارے امصار مسلمین میں کوفہ اپنی علمی منزلت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھا، صرف اس ایک شہر میں جتنے فقہا، محدثین اور مفسرین اور فصیح ترین قبائل عرب کی مستقل اقامت کے باعث، علوم لغت عربیہ کے جیسے جید ماہرین یہاں جمع تھے، مشکل سے کہیں اور ان کی مثال مل سکتی تھی، نیز کبار صحابہ کی ایک بڑی جماعت نے بھی چونکہ یہاں مستقل طور پر بود و باش اختیار کر لی تھی، اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ علوم دینی کی ترویج کا کام بڑے وسیع پیمانہ پر شروع ہو گیا تھا،

چنانچہ اگر حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے صرف کبار اصحاب کے حالات و سوانح قلمبند کئے جائیں اور ایک خاص مجموعہ اس موضوع پر مرتب کیا جائے تو ایک بہت بڑا دفتر تیار ہو سکتا ہے

کوفہ میں پندرہ سو صحابہ کی موجودگی

عراق کے دوسرے شہروں سے قطع نظر صرف کوفہ میں، جو صحابہ موجود تھے ان کی تعداد کسی طرح پندرہ سو سے کم نہیں تھی۔

تابعی کبیر مسروق بن الاجدع کا قول ہے،:

"اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا علم چھ نفوس میں مرکوز ہو کر رہ گیا تھا، جو یہ ہیں۔"

۱- علیؓ
۲- عبداللہ رضؓ
۳- عمر رضؓ
۴- زید بن ثابت رضؓ
۵- ابوالدرداء رضؓ

۶۔ ابی بن کعب رض

اور ان اصحاب ستہ کا علم دو بزرگوں میں محدود ہو گیا تھا، جو یہ ہیں،

۱۔ علی رض

۲۔ عبد اللہ رض !

ابن جریر کا قول

ابن جریر کا قول ہے، :

"ابن مسعود رض کے سوا کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کے شاگردوں نے اپنے فتاوے اور مذاہب میں ان کی فقہہ کو شامل کر لیا ہو، !"

خود کبار صحابہ کا جو خود بھی فقہی منزلت و بصیرت کے حامل تھے، یہ عالم تھا کہ اپنے اصحاب کو ابن مسعود رض سے الحاق کی وصیت کیا کرتے تھے، یہ گویا اعتراف تھا ان کی فقہی اور علمی بصیرت کا۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عمرو بن اودی کو جو ان کے اصحاب میں تھے وصیت کی تھی کہ کوفہ میں ابن مسعود کے دامن سے وابستہ رہیں،

رامہرمزی انس ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا !

"میں کوفہ آیا، میں نے دیکھا یہاں چار ہزار اشخاص، درس حدیث میں مصروف ہیں، اور ان میں سے چار سو وہ ہیں جو فقہہ میں غیر معمولی دسترس اور شغف رکھتے ہیں" ! "

امصار مسلمین میں سے بھلا کوفہ کے سوا اور کون ایسا شہر ہوگا، جہاں اتنی بڑی تعداد میں محدثین اور فقہا موجود نہ ہوں ؟

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فقہ کا فن کتنا عسیر اور دشوار ہے، اور کتنی زیادہ محنت کا جویا!

کوفہ کے حلقہ ہائے علم وفیض

عفان سے روایت ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے!

"ہم کوفہ آئے، اور یہاں ہم نے تقریباً چار ماہ تک قیام کیا، اگر ہم چاہتے تو یہاں کے حلقہ ہائے درس میں بیٹھ کر ایک لاکھ حدیثیں لکھ لیتے، لیکن ہم پچاس ہزار سے زیادہ نہ لکھ سکے، کوفہ میں ایک آدمی بھی ایسا ہماری نظر سے نہیں گزرا جو علم کے معاملہ میں خسیس یا کاہل ہو، یا جس نے ہمیں علم کے بتانے اور سکھانے میں انکار کیا ہو، !"

امام بخاریؒ بھی کوفہ کے مدّاح تھے

اسی طرح امام بخاریؒ بھی کوفہ کی علمی منزلت کے رتبہ شناس اور مداح و معترف نظر آتے ہیں، اور یہ اعتراف و اقرار اس صورت میں ہے کہ وہ امصار مسلمین کا طویل سفر حصول علم کے سلسلہ میں کر چکے تھے، اور مشہور و یگانہ آئمہ حدیث و فقہ اور ماہرین لغت و قرآن سے مستفیض ہو چکے تھے۔ اس سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ کوفہ کی علمی منزلت کا کیا عالم تھا؟ وہ صرف فقہ ہی کا نہیں، حدیث، تفسیر، قرآن، لغت، اور عربیت کا بھی عالم اسلام میں سب سے بڑا مرکز تھا، اور یہ علوم متواتر طور پر ایک جماعت سے دوسری جماعت میں، ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتے چلے آرہے تھے،

فقہ اسلامی کی تدوین و تشکیل

یہ تھی کوفہ کی وہ فضا جہاں فقہ اسلامی، تدوین و تشکیل کے مراحل طے کر رہی تھی،

چالیس کے قریب سربرآوردہ علماء اور فقہاء، امام ابو حنیفہؒ کی سربراہی اور سرکردگی میں اس کار اہم پر لگے ہوئے تھے، ان کا کام تھا، مسائل کی تحقیق، پھر ان کی تدوین، اور ساتھ ہی ساتھ تمحیص و تحقیق کے ساتھ دلائل کا بیان، اسی وجہ سے کوفہ کا امتیاز امصار مسلمین میں سب سے بڑھا ہوا تھا،

ابن ابی العوام، اس سلسلہ میں فرماتے ہیں، !

طحاوی کا قول ہے کہ ابن ابی ثور نے مجھے لکھا کہ مجھ سے نوح ابو سفیان نے بیان کیا کہ

مغیرہ بن حمزہ مجھ سے کہتے تھے کہ جن اصحاب ابو حنیفہؒ نے تدوین فقہ کا کام کیا ان کی تعداد چالیس تھی اور یہ سب اپنے علم و فضل کے اعتبار سے ایک سے ایک بڑھ کر تھے ۔

اصحاب ابو حنیفہؒ اور تدوین فقہ

اسی طرح سلیمان بن عمران، اسد بن فراتؒ[1] سے روایت کرتے ہیں :

"جن اصحاب ابی حنیفہؒ نے کتب فقہ کی تدوین و تالیف میں حصہ لیا ان کی تعداد چالیس تھی، ان میں جو متقدمین تھے ان کے نام یہ ہیں :-

---

[1] اسد بن فرات کے حالات نسبتاً وضاحت اور بسط و تفصیل کے ساتھ ہم "امام محمدؒ" میں درج کر چکے ہیں، لہذا اس موقعہ پر ان کے اعادہ سے کچھ حاصل نہیں، لیکن چونکہ ایک بات زیر گفتگو آگئی ہے، لہذا نامناسب نہ ہوگا، اگر مختصر طور پر اسد بن فرات کا تعارف کرا دیا جائے ۔

اسد بن فرات، در حقیقت مغرب اقصیٰ کے رہنے والے تھے، شوق علم کشاں کشاں انہیں مدینہ منورہ لے گیا، اور یہ امام مالکؒ کے حلقۂ درس میں بیٹھے، فقہ مالکی کی مشہور کتاب "مدونہ" در حقیقت انہی کی کاوش کا نتیجہ ہے ۔

لیکن علم کا یہ مسافر، صرف امام مالکؒ کے حلقۂ فیض سے استفادہ پر قناعت نہ کر سکا، بعض ایسے مسائل تھے، جن کا تشفی بخش جواب امام مالکؒ سے نہ مل سکا، اور جواب میں انہوں نے جو کچھ کہا وہ اگرچہ طنز کے انداز میں تھا، لیکن اس سے یہ جستجو پیدا ہوئی کہ فقہاء کوفہ کو بھی ٹٹولا جائے، اور ان کے علم سے اگر استفادہ اور استفاضہ کی کوئی صورت نکل سکے تو اسے بروئے کار لایا جائے،

چنانچہ مدینہ سے اٹھ کر یہ اسد بن فرات کوفہ پہنچے،

یہاں امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کا بازار گرم تھا، دنیا جہاں کے لوگ، جوق در جوق، فوج در فوج، کشاں کشاں

۱- ابو یوسف رحؒ

۲- زفر بن الہذیل رحؒ

۳- داؤد الطائی رحؒ

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) سفر کی سختیاں برداشت کر کے آتے تھے، اور ان حضرات کی بارگاہ علم میں سر کے بل پہنچتے تھے۔

اسد بن فرات نے زیادہ تر امام محمد رحؒ سے استفادہ کیا، وہ امام صاحب کی سیرت، شخصیت، کردار، علم وسعت نظر، قوت، اجتہاد، رسوخ فی العلم، اور دوسرے نکات سے بہت زیادہ متاثر ہوئے، اتنے متاثر ہوئے کہ رفتہ رفتہ جس سانچہ میں انھوں نے اپنے ذہن و فکر کو ڈھالا تھا، وہ بدل گیا، بالکل بدل گیا، یہاں آکر انھوں نے وہ تنگی نہیں دیکھی، جس سے وہ بیزار ہو رہے تھے، جہاں علم تھا، اجتہاد تھا، وسعت تھی، قانون و فقہ، میں لچک بھی تھی، اور یسر کے ساتھ یسر بھی، جو اسلام کی اصل روح ہے، چنانچہ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہونچی کہ بعد میں اپنے وطن جاکر، جب وہ مسند قضا پر بیٹھے اور قاضی القضاۃ بنا دیے گئے، تو گو مالکی مذہب سے ان کی وابستگی ختم نہیں ہوئی تھی، لیکن اکثر و بیشتر ان کے فیصلے اور فتادے، فقہ حنفی کے مطابق ہوا کرتے تھے۔

جیسا کہ ابھی عرض کیا جا چکا ہے، امام محمد رحؒ سے اسد بن فرات رحؒ نے بہت زیادہ فیض اٹھایا، لیکن یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ امام ابو یوسف رحؒ جیسی عظیم و جلیل ہستی کو نظر انداز کر دیتے، چنانچہ شوق علم انہیں اس بارگاہ میں بھی لے پہنچا، اور جتنا فائدہ وہ امام یوسف رحؒ کے نبوغ نظر، ملکۂ اجتہاد، اور وسعت علم سے حاصل کر سکتے تھے، کیا، اور زندگی بھر اس کے سپاس گذار بھی رہے، امام ابو یوسف رحؒ کی شاگردی پر انہیں ناز تھا، اور بجا ناز تھا۔

کوفہ میں امام محمد سے زیادہ اور امام ابو یوسف رحؒ سے کسی حد تک کسب فیض کرنے کے بعد وہ مصر بھی پہونچے، اور امام شافعی رحؒ سے بھی ملاقی ہوئے یہاں کچھ نزاعیں بھی پیدا ہوئیں لیکن اہل علم کا یہ اصول ہے، (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۴- اسد بن عمرو،

۵- یوسف بن خالد السمتی (دیکھے از مشائخ شافعی)،

۶- یحییٰ بن زکریا، بن ابی زائدہ، ———————— !"

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ): بلکہ یہ بات ان کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ جو موقف اختیار کر لیتے ہیں، اس سے اسی وقت رجوع کرتے ہیں جب پورے طور پر انشراح قلب حاصل ہو جائے، چنانچہ وہ مصر پہنچے ضرور، لیکن ان کے موقف میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی، فقہ حنفی سے ان کا جو تاثر تھا، وہ قائم رہا، اور زندگی بھر وہ اسی کے مطابق (اکثر و بیشتر) فتوے دیتے اور فیصلے کرتے رہے،

ان مراحل سے فارغ ہو کر جب وہ اپنے وطن پہنچے تو وہاں کی حکومت اعیان و امراء اور عوام نے ان کی قدر دانی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، انہیں منصب قضا سونپا اور وہ قاضی القضاۃ بنا دیے گئے۔

لیکن قدرت کو ان سے ابھی ایک بہت بڑا کام لینا تھا،

اسی زمانہ میں مغرب کی اسلامی حکومت نے صقلیہ (سسلی) کے قزاقوں، اور غارت گروں امن و اماں کی تاخت و تاراج سے متاثر ہو کر فیصلہ کر لیا کہ اسے مملکت اسلامی ہی شریک کر لیا جائے۔

چنانچہ صقلیہ فتح کرنے کے لیے جو فوج بھیجی گئی اس کے امیر، اور سالار بھی اسد بن فرات تھے۔

اسلام کی تاریخ میں ایسے لوگ ملتے ہیں جو بیک وقت صاحب سیف و قلم تھے مثلاً امام ابن تیمیہ جنہوں نے قرامطہ سے، تاتاریوں سے، اور دوسرے عناصر سے جنگ میں باقاعدہ حصہ لیا،

لیکن یہ سعادت قاضی اسد بن فرات ہی کے مقسوم میں تمام ازل نے لکھ دی تھی کہ وہ ایک بڑی فوج کے امیر اور سالار بنیں، ایک غیر ملک کو فتح کریں، (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر) . . . . . .

اسد بن فرات کی روایت

اسد بن فرات کی روایت یہ بھی ہے کہ:
"مجھ سے اسد بن عمروؒ نے کہا، ابوحنیفہؒ کے مجمع فقہی کے لوگ مسائل کے جواب میں مختلف قسم کی آراء دیا کرتے تھے، کوئی کسی طرح جواب دیتا، کوئی کسی طرح، پھر یہ سارے جواب ابوحنیفہؒ کی خدمت میں پیش کئے جاتے اور ان سے کہا جاتا کہ اب وہ جواب میں کچھ فرمائیں، پھر وہ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے جواب دیتے، اس طرح ایک مسئلہ کے جوابات پر تین دن تک غور و فکر کا سلسلہ جاری رہتا، اس کے بعد یہ حضرات آخری اور طے شدہ جواب کو درج کتاب کر کے مدوّن کر لیتے ــــــــــــ!"

عافیہ کی منزلت ابوحنیفہؒ کی نظر میں

صیمریؒ اسحاق بن ابراہیم کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک مرتبہ فرمایا، !

"اصحاب ابوحنیفہؒ اپنے استاد اور رہنما امام ابوحنیفہؒ کی معیت میں زیر غور اور زیر بحث مسائل پر غور و خوض کیا کرتے، اتفاق سے اگر کسی دن عافیہ بن یزید حاضر مجلس نہ ہوتے تو امام صاحب فرماتے، !"

"جب تک عافیہ نہ آئیں انتظار کرو، !"

پھر جب عافیہ آجاتے اور دوسرے اصحاب ابوحنیفہؒ کی رائے سے اتفاق

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) تاریخ میں "فاتح صقلیہ" کے نام سے مشہور ہوں، اور ان کارناموں کے انجام دینے کے بعد جام شہادت پئیں، اور حیات دوام حاصل کریں۔

اسد بن فرات بہت بڑے عالم تھے، بہت بڑے مجاہد، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ راہ حق کے شہید، ــــــــــــ رضی اللہ عنہ ــــــــــــ!

(رئیس احمد جعفری)

کر لیتے تو امام صاحب فرماتے۔

"اب اسے لکھ لو"! "

اور اگر حاضرین اتفاق رائے نہ کرتے بلکہ اختلاف کا اظہار کرتے تو امام صاحب پھر اس مسئلہ کو قلمبند کرنے سے منع کر دیتے"! "

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس مشاورت

یحییٰ بن معین نے "معرفۃ التاریخ والعلل" میں فضل بن دکین سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ:

"میں نے زفر کو کہتے ہوئے سنا کہ جب امام ابو حنیفہ کے سامنے مسائل پیش ہوتے تو ہم آپس میں اختلاف رائے کا اظہار کرتے، اگر ابو یوسف رح اور محمد بن الحسن رح ہمارا ساتھ دیتے، تو پھر وہ مسئلہ ہم لکھ کر مدوّن کر لیتے"! "

مسائل قلمبند کرنے میں احتیاط

امام ابو حنیفہ، مسائل کو قلمبند کرنے کی اجازت اس وقت دیتے تھے جب خوب اچھی طرح اس کی تنقیح ہو چکی ہوتی،

ایک مرتبہ انہوں نے ابو یوسف رح سے کہا،

"جو کچھ مجھ سے سنو اسے فوراً لکھنے نہ بیٹھ جایا کرو، آج میں ایک مسئلہ پر کوئی رائے قائم کرتا ہوں، کل بعض دلائل کے باعث اسے ترک کر دیتا ہوں، پھر کل کوئی رائے قائم کرتا ہوں، اور دوسرے حالات و دلائل سامنے آتے ہیں تو پرسوں اسے بھی بدل دیتا ہوں"! "

امام صاحب کی اس تنبیہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تمحیص و تحقیق کامل سے پیشتر اگر ان کا کوئی شاگرد، تدوین و تالیفِ مسائل میں جلد بازی سے کام لیتا تو آپ اسے سختی سے ٹوکتے اور روکتے تھے"! اور شانِ تحقیق بھی یہی ہے، لہٰذا واجب بھی یہی تھا،

ابو حنیفہ کی مجلس شوریٰ

الموفق المکی، (۲ - ۱۳۳) کے قول سے صورت احوال پر مزید یہ روشنی پڑتی ہے:

"ابو حنیفہ نے اپنی مجلس فقہی کو ایک طرح کی مجلس شوریٰ بنا لیا تھا، جہاں ہر شخص آزادی سے اپنی رائے کا اظہار کرتا تھا، وہ اپنی رائے کو ٹھونسنے اور منوانے کی ذرا بھی کوشش نہیں کرتے تھے،

ان کا معمول یہ تھا کہ وہ ایک ایک مسئلہ کو اس پر بحث و گفتگو کرنے اور اپنے اصحاب کو بحث و گفتگو کا موقع دیتے، کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ صرف ایک مسئلہ پر پورا مہینہ، بلکہ کبھی کبھی اس سے بھی زیادہ، بحث و مناظرہ میں گذر جاتا، یہاں تک کہ کامل بحث و مباحثہ اور تنقیح و تمحیص کے بعد کوئی ایک قول قبول کر لیا جاتا، پھر ابو یوسف اسے مرتب اور مدون کر لیتے، اور وہ داخل اصول ہو جاتا اور سچ پوچھئے تو یہی اولیٰ و اصوب طریقہ کار تھا، حق سے قریب، اور تسکین قلب کا سبب، آپس میں بحث و مباحثہ کے بعد کسی شخص کو بھی اپنی رائے کے واپس لے لینے میں اور متفقہ قول کو قبول کر لینے میں تامل یا تردد نہ ہوتا!"

مجلس شوریٰ کا طرز کار

اپنے اصحاب کی تفقہ و تدریس کے سلسلہ میں امام ابو حنیفہ کا طرز کار یہ تھا کہ کوئی مسئلہ جب زیر غور آتا، تو اس کے تمام احتمالی پہلوؤں پر بھی غور کیا جاتا، اور تائید میں جو کچھ کہا جا سکتا، وہ کہتے اس کے بعد اپنے اصحاب سے دریافت کرتے،

"کیا آپ میں سے کوئی اس کے برخلاف کچھ کہنا چاہتا ہے؟"

اس سوال کے بعد ہر شخص ان کی مجلس فقہی کا اپنی اپنی رائے ظاہر کرتا، امام صاحب اس نئی رائے کے مختلف پہلوؤں پر نکتہ چینی کرتے اور ایک دوسری رائے قائم کر کے پوچھتے،

"اب آپ کی کیا رائے ہے؟"

لوگ پھر آپس میں بحث و اختلاف کرتے، اور جب کسی ایک رائے پر قریب قریب متفق ہو جاتے تو امام صاحب پھر ان دلائل کا توڑ کرتے، اور ایک تیسری رائے پیش کرتے اور سوال کرتے،

"اب کیا رائے ہے آپ کی؟"

اب لوگ پھر اس پر نقد و نظر کا سلسلہ شروع کر دیتے، پھر امام صاحب معائنہ کر کے کسی ایک رائے کو ترجیح دیتے، اور اس طرح بار بار کے رد و کد کے بعد مسئلہ منقح ہو جاتا اور اس پر اتفاق کر لیا جاتا، جیسا کہ "الانتقاء" (صفحہ ۱۴۰) میں ہے۔ امام صاحب کا یہ طرز تفقہ دوسرے تمام آئمہ و مجتہدین کے طرز و اسلوب کے مقابلہ میں ایک امتیاز خاص کا حامل ہے،

ابو یوسفؒ قضایائے علیؓ کے حامل تھے

یہ تھی وہ فضا جس میں ابو یوسفؒ نے فقہ کی تکمیل و تحصیل کی امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد ان کی عقل میں جلا پیدا ہو گئی، اور ذہن پر صیقل، اور ان کی فقہ کے تعمق میں توسع پیدا ہو گیا، جس کے ثمرات و اثرات ان کی زندگی کے واقعات سے نمایاں ہیں،

امام ابو یوسفؒ نے محمد بن ابی لیلیٰؒ، القاضی سے بھی بہت استفادہ کیا، جو اموی اور عباسی حکومت کے زمانہ کے مانے ہوئے قاضی تھے، اور خاص طور پر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، کے طرز قضا اور قاضی شریحؒ کے طرز قضا کے رمز آشنا تھے، شریح حضرت عمرؓ کے زمانے سے لیکر حجاج کے زمانہ تک اس گراں بار ذمہ داری کو نباھتے رہے، ابو یوسف کو علمی اور عملی طور پر ابن ابی لیلیٰؒ سے وہ احکام قضا بھی مل گئے جو قضایائے علیؓ و شریح پر مشتمل تھے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا علم کتنا وسیع تھا، اور اس موضوع کے ہر پہلو پر وہ کس طرح غالب اور قادر تھے"! ۱۲

امام ابو یوسفؒ کی بے مثال قوتِ حافظہ

ذکاوت و ذہانت، فراست و بصیرت

ابو الفرج بن جوزی نے اپنی کتاب میں امام ابو یوسفؒ کو امت اسلامیہ کے ان یگانہ روزگار سو حفاظ میں شمار کیا ہے، جن کی قوت حفظ لاثانی تھی، اور یہ قوت حفظ صرف حدیث ہی سے متعلق نہ تھی، بلکہ ہر جہت سے یگانہ اور منفرد حیثیت رکھتی تھی،

ابن جوزیؒ کی روایت

ابن جوزی نے "اخبار الحفاظ" میں لکھا ہے کہ:

"امام ابو یوسفؒ سماع واحد میں ساٹھ، ستر حدیثیں یاد کر لیتے تھے اور پھر پورے اسناد کے ساتھ انہیں سنا دیا کرتے تھے"!

کتب خانہ ظاہریہ "دمشق" میں اس کتاب کا ایک نسخہ موجود ہے، صرف پہلا ورق غائب ہے، ——————————!

ابن عبد البرؒ کی روایت

ابن عبد البر اپنی کتاب "الانتقار" میں لکھتے ہیں:-

"مجھے احمد بن محمدؒ بن احمد نے اور ان کو احمد بن فضلؒ بن عباس نے بتایا کہ محمد بن جریر طبریؒ کا قول ہے کہ ابو یوسف ابراہیمؒ بن یعقوب القاضی

بہت بڑے فقیہ، بہت بڑے عالم، اور بہت بڑے حافظ حدیث تھے، حفظ حدیث میں تو ان کی شہرت کا ڈنکا بجا کرتا تھا، وہ بہت زیادہ حاضر دماغ، اور جید الحافظہ محدثین میں تھے، ستاون حدیثیں سنتے ہی یاد کر لیا کرتے تھے، پھر گھر جا کر لوگوں کو ان کا املا کرا دیتے تھے، وہ کثیر الحدیث تھے، ــــــــــــــــ

ــــــــــــــــ ! "

بالکل یہی بات ابن جریر نے "ذیل المذیل میں لکھی ہے" !

صیمری کی روایت

صیمری حسن زیاد کی سند سے "اخبار ابو حنیفہ و اصحابہ" میں قمطراز ہیں :

" ہم ابو یوسف کے ساتھ بارادہ حج روانہ ہوئے، راستہ میں ان کی طبیعت ناساز ہوگئی، چنانچہ ہم نے بیر میمون پر ڈیرا ڈال دیا، یہاں سفیان بن عیینہ ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے ابو یوسف نے ہم سے کہا۔

" ابو محمد سے حدیث سنو، ــــــــــــــــ ! "

چنانچہ سفیان نے چالیس حدیثیں اس وقت روایت کیں، پھر جب سفیان اٹھ گئے، تو ابو یوسف نے ہم سے کہا،

" اب وہ حدیثیں مجھ سے، سن لو، جو ابی سفیان نے روایت کی تھیں ! "

چنانچہ انہوں نے چالیس کی چالیس اسی وقت سنا دیں،

" گو بیماری سے ابو یوسف مضمحل ہو رہے تھے ہم بھی کافی ہو چکی تھی، علالت کا بار بھی تھا، اور سفر کی پریشانیاں بھی، لیکن بے پناہ قوت حفظ کا اس وقت بھی یہ عالم تھا، ! "

حسن بن ابی مالک کی روایت

موفق المکی کی حسن بن ابی مالک کی سند سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا، !

ہم ابومعاویہ کے پاس حجاج بن ارطاۃ کی حدیث لکھنے کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے، ایک روز ہم سے معاویہ نے کہا،

"کیا ابویوسفؒ تمہارے نزدیک نہیں ہیں؟"

ہم نے عرض کیا

"ہیں تو، !"

فرمایا:

"ابویوسفؒ کو چھوڑ کر تم میرے پاس لکھنے کے لئے آتے ہو؟"

پھر ہم حجاج بن ارطاۃ کے ہاں جانے لگے، وہاں ابویوسفؒ اسی دوران میں جب حجاج املا کراتے سب کچھ بزبان یاد کر لیتے، پھر جب ہم باہر نکلتے تو ابویوسفؒ کے حافظہ سے خوب فائدہ اٹھاتے، یعنی انہیں سب کچھ یاد ہو چکا ہوتا اور ہم نوٹ کر لیتے، !"

ہارون سے ابویوسفؒ کی شکایت

موفق ہی نے، یحییٰ ابن آدم کی سند سے بیان کیا ہے کہ:

ایک مرتبہ ہارون رشید سے شکوہ کیا گیا کہ آپ نے ابویوسفؒ کو بہت زیادہ رفعت و منزلت عطا کر دی۔ ہے آخر اس کی وجہ کیا ہے ؟،

ہارون نے جو خود بھی بہت بڑا فقیہہ اور عالم تھا، جواب میں کہا،

" اس لئے کہ مجھے ابویوسف کی معرفت حاصل ہے، از روئے تجربہ میں ان کی منزلت بڑھانے پر مجبور رہوں، خدا کی قسم ابواب علم میں سے کوئی باب ایسا نہیں جس میں نے ابویوسف کا امتحان نہ لیا ہو، مگر میں نے ہمیشہ اور ہر موقعہ پر انہیں کامل اور یکتا پایا، وہ ہمارے ساتھ حدیث کے حلقوں میں جاتے تھے، ہم لکھ لیتے تھے، اور وہ نہیں لکھتے تھے، پھر جب ہم مجلس سے اٹھتے تو اصحاب حدیث انہیں گھیر لیتے، اور اپنے

لکھے ہوئے نوٹوں کی تصحیح ان کے حافظہ سے کرتے، اور فقہ میں تو انہیں وہ مرتبہ حاصل ہے، جس پر آج تک کوئی آدمی نہیں پہنچ سکا، بڑے بڑے لوگ ان کے سامنے پہنچ کر چھوٹے اور کم مایہ نظر آنے لگتے تھے، ان کے پاس بڑے بڑے فقیہ آتے تھے، جب کہ وہ عام مجلس میں بیٹھے ہوتے اور اس موقعہ پر نہ ان کے پاس کوئی کتاب ہوتی، نہ نوٹ بک، وہ ہمارے ساتھ شریک مجلس رہتے، اور ان آنے والے علماء اور فقہاء سے سوال کرتے،

"آپ کیا چاہتے ہیں؟"

وہ جواب دیتے،

"فلاں فلاں باب کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں"!"

ابویوسفؒ وہیں بیٹھے بیٹھے برجستہ ان کے ہر سوال کا جواب دیتے، اور چٹکی بجاتے میں ہر مشکل حل کر دیتے، یہ وہ خصوصیت تھی جس سے ان کے ہم عصر علماء عاجز تھے، اور پھر ان سب باتوں پر بالا یہ کہ وہ استقامت فی المذہب اور صیانت فی الدین کا بھی نمونہ کامل تھے ———————— لاؤ اگر ابویوسفؒ کا سا کوئی آدمی لاسکتے ہو، ———————— !"

ابویوسف کے بارے میں رشید کی یہ رائے بہت وزن رکھتی ہے، اس کی اہمیت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ رشید خود اچھا عالم، اور علم کا اچھا نقاد تھا اور رشید نے یہ رائے ایک عرصہ کے تجربہ اور مشاہدہ کے بعد قائم کی تھی، !

داؤد بن رشید کا قول

داؤد بن رشید کا قول ہے:

"اگر ابویوسفؒ کے سوا ابوحنیفہؒ کا کوئی اور شاگرد نہ ہوتا، تب بھی جمیع ناس پر انہیں فخر حاصل ہوجاتا،

جب ابواب علم میں سے کسی بات پر میں ابویوسفؒ کو مصروف تکلم دیکھتا تو ایسا محسوس

ہوتا جیسے وہ ایک بحر ذخار سے چلو بھر بھر کر علم اور معرفت کے خزانے لٹا رہے ہیں حدیث ان کے نوک زبان، فقہ ان کے نوک زبان، کلام ان کے نوک زبان، کوئی موضوع بھی تو ایسا نہ تھا جس میں وہ یکتا نہ ہوں، جس میں وہ عاجز اور درماندہ نظر آئیں! "

ابو یوسف رح جامع العلوم

ہلال ابن یحییٰ البصری، جو "ہلال الرائے" کے نام سے بھی معروف ہیں، امام صاحب کے بارے میں کہتے ہیں:

"ابو یوسف رح تفسیر کے فن میں غیر معمولی دستگاہ رکھتے تھے، مغازی میں ان کا جواب نہ تھا، ایام عرب کے وہ ماہر تھے، فقہ بھی ان علوم میں سے جن کے وہ ماہر تھے ایک علم تھا۔ "!

ابو یوسف کی شخصیت

یحییٰ بن خالد ذہبی کی ایک روایت بیان کرتے ہیں!:

"ہمارے پاس ابو یوسف رح آئے اور پھر ہم نے ایسا محسوس کیا جیسے انہوں نے فقہ سے فضا کو معمور کر دیا ہے"!

ابو یوسف محدث کی حیثیت سے

یحییٰ بن معین کا امام ابو یوسف رح کے بارے میں قول ہے!:

"اصحاب رائے میں ابو یوسف رح سے زیادہ اثبت فی الحدیث میں نے کوئی اور شخص نہیں دیکھا، وہ بے پناہ قوت حافظہ کے مالک تھے، ان سے زیادہ از روئے روایت کوئی اصح شخص نظر سے نہیں گذرا"!

ذہبی نے حفاظ حدیث میں ابو یوسف رح کو شمار کیا ہے

ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں امام ابو یوسف کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے، اور ان کے مناقب میں ایک مخصوص رسالہ لکھا ہے، جو طبع ہو چکا ہے "!

ابو یوسفؒ کی وقت نظر

صیمری نے بطریق طحاوی، ابن ابی عمران سے ایک روایت کی ہے، جس سے متشابہ ہوتا ہے کہ ابو یوسفؒ ایک مرتبہ حجاج بن ارطاۃ کے پاس گئے۔ جو کوفہ کے قاضی تھے، اور ان سے لونڈی کے جنین کے بارے میں فتوے پوچھا،

حجاج نے جو جواب دیا، اس پر ابو یوسفؒ نے اعتراض کیا، اور اپنے دلائل دیتے ہوئے کہا،

آپ نے تو معاملہ یکسر پلٹ دیا، لونڈیوں کا جنین اگر وہ کسی حادثہ کے باعث) مردہ پیدا ہو، اس صورت میں آپ حرہ عورت کے اسقاط جنین سے بھی زیادہ دلاتے ہیں، بہ نسبت اس صورت کے زندہ پیدا ہو اور پھر مرجائے،

حجاج نے کہا،

«اگر یہ بات ہے میرے بیٹے تو پھر لوگوں کے سامنے اس طرح نہ بیان کرنا،

ابو یوسفؒ اور ربیعۃ الرائے

صیمری سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ:

ابو یوسفؒ نے امام مالک کے استاد ربیعۃ الرائے سے کہا۔

آپ اس غلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو بیک وقت دو آدمیوں کا غلام ہو، اور ان دو میں سے ایک نے اسے آزاد کر دیا ہو؟

ربیعہ نے جواب دیا،

«ایسے غلام کا عتق (آزادی) جائز نہیں ہے»!

ابو یوسفؒ نے پوچھا،

کیوں جائز نہیں ہے؟ —— آخر اس کا سبب؟

ربیعہ نے جواب دیا،

«اس لئے کہ اس میں ضرر کا پہلو ہے، اور حدیث میں آیا ہے لا ضرر و لا ضرار،

ابو یوسفؒ نے سوال کیا۔

اور اگر وہ دوسرا آدمی بھی اسے آزاد کر دے ؟

پھر آپ کیا کہتے ہیں ؟

ربیعہ نے جواب دیا،

"یہ عتق جائز ہے"!

ابو یوسفؒ نے کہا،

"میں آپ کی بات نہیں مان سکتا، پہلے مالک کا کلام بے اثر رہا۔ اور غلامی آزادی قرار پائی آپ کے نزدیک پھر بھلا دوسرے مالک کے آزاد کرنے کے بعد وہ کس طرح آزاد ہو جائے گا، جب کہ ابھی تک وہ بدستور غلام ہے"؟

یہ سنکر ربیعہ نے سکوت اختیار کیا، اور کوئی جواب نہ دے سکے،

روایات طحاوی

طحاوی نے اس طرح کے بہت سے واقعات بیان کئے ہیں، چونکہ اختصار مدنظر ہے، لہذا ہم نے صرف چند واقعات پر اکتفا کیا!

•

- دقتِ نظر ابو یوسفؒ کی خصوصیت تھی،
- ذہانت و فراست ابو یوسفؒ کی جلیس تھی،
- حاضر جوابی ابو یوسفؒ کے ملکات میں شامل تھی،
- نکتہ رسی ابو یوسفؒ کی فطرت تھی،
- معنیٰ آفرینی ابو یوسفؒ کی سرشت تھی،

•

ابو یوسفؒ نے فقہ کا دامن اپنی دقتِ نظر، ذہانت و فراست
حاضر جوابی، نکتہ رسی، اور معنیٰ آفرینی سے مالا مال کر دیا، !

•

فقہ وحدیث میں امام ابو یوسفؒ کے بعض اساتذہ

ابو یوسفؒ نے ابو حنیفہؒ اور ابن ابی لیلےؒ کو زندہ کردیا

احکام قضا کا علم ابو یوسفؒ نے محمد بن ابی لیلی القاضی سے حاصل کیا، ابو حنیفہؒ کے حلقۂ درس میں بیٹھ کر فقہ وحدیث کی تکمیل کی، یہاں تک کہ اصول فقہ، اور ادلہ احکام میں کامل دسترس حاصل کرلی، اور ان دونوں علوم میں وہ منزلت حاصل کرلی کہ احمد بن عمار بن ابی مالکؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:

"اگر ابو یوسفؒ نہ ہوتے، تو ابو حنیفہؒ اور ابن ابی لیلیؒ کو بھی کوئی یاد نہ رکھتا"۔

بلاشبہ یہ رائے غلو پر مبنی ہے، جو خود ابو یوسف کے لئے بھی مطبوع اور پسندیدہ نہ تھی بلکہ حقیقت امر تو یہ ہے کہ اگر ابو حنیفہؒ اور ابن ابی لیلیؒ نہ ہوتے تو ابو یوسفؒ کو وہ منزلت اور رفعت حاصل نہ ہوتی جو ہوئی،

ابو حنیفہؒ کی منزلت ابو یوسفؒ کی نظر میں

خود امام ابو یوسفؒ کا جہاں تک تعلق تھا وہ اپنے دونوں استاذوں کے نہ صرف ممنون تھے بلکہ حد درجہ شکر وسپاس کے لہجہ میں ان کا ذکر خیر کیا کرتے تھے، چنانچہ ان کا قول ہے:

"اپنی زندگی میں بہت سی علمی مجلسوں میں اٹھا بیٹھا ہوں، لیکن ابو حنیفہؒ اور ابن ابی لیلیؒ کے

مجمع علمی اور مجلس علم کی بات کہیں اور کہاں، ! " میں نے ابو حنیفہؒ سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا، اور نہ ابن لیلیٰ سے بہتر کوئی قاضی میری نظر سے گذرا، ! "

مذکورہ روایت صیمری نے پوری سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

ابو یوسفؒ کو ابو حنیفہؒ کی شاگردی پر فخر تھا۔

ابو یوسفؒ کو، ابو حنیفہؒ اور ابن لیلیٰؒ سے شرف شاگردی حاصل کرنے کی بنا پر فخر و ناز تھا، وہ ہمیشہ اس کا ذکر شاندار الفاظ میں کیا کرتے تھے، ان دونوں کے علوم کی نشر و ترویج ان کی زندگی کا مقصد تھا، ان دونوں کے علم و کمال کی طرف وہ لوگوں کو دعوت دیا کرتے تھے،

بلکہ روایت تو یہاں تک ہے کہ ہر نماز کے بعد، پہلے ابو حنیفہؒ کے لئے دعائے مغفرت کرتے تھے، پھر اپنے والدین کے لئے، شاید اسی سعادت مندی کا نتیجہ تھا کہ اللہ تبارک و تعالے نے ان کے علم میں اس درجہ برکت عطا فرمائی تھی،

ابو حنیفہؒ کے دامن سے وابستگی کا اعتراف

یوسف بن ابی سعد کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا،

" میں ابو حنیفہؒ کی خدمت میں ۱۹ سال تک حاضر باش رہا، اس طرح کہ ہمیشہ فجر کی نماز انہیں کے ساتھ پڑھی، ! "

صیمری سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام ابو یوسف نے فرمایا، :

" میں امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں کم و بیش ۱۷ سال رہا، نہ میں صبح کے وقت ان کا دامن چھوڑتا تھا نہ دوپہر کو، بجز اس صورت کے کہ بیماری مجھ پر غالب آجائے، ! "

ابو یوسفؒ کے شیوخ اور اساتذہ

اب ہم ذیل میں امام ابو یوسفؒ کے بعض شیوخ اور اساتذہ کے اسمائے گرامی درج کرتے ہیں، !

۱ - ابان بن ابی عیاش -

۲ ۔ احوص ابن کلیم، ——— ان کے علم وفضل کا شہرہ دیار و امصار میں تھا،

۳ ۔ ابواسحاق الشیبانی (سلیمان)، ——— فقہ میں ان کی بصیرت کا اعتراف سب کو تھا،

۴ ۔ اسرائیل بن ابی اسحاق یونس، ——— تحقیق و تدقیق مسائل میں یکتا تھے،

۵ ۔ اسماعیل بن ابراہیم بن المہاجر البجلی، ——— فقہ اور علوم فقہ، اور علوم متعلقات فقہ میں کامل تھے،

۶ ۔ اسماعیل بن امیہ، ——— ان کی مجلس درس سرچشمہ علم و فیض تھی،

۷ ۔ اسماعیل بن ابی خالد، ——— دور دور سے لوگ ان کے حضور میں حصول علم کے لئے پہنچے،

۸ ۔ اسماعیل بن علیہ، ——— علم کا ذوق رکھنے والا ہر شخص کشاں کشاں ان کے آستانہ پر حاضر ہوتا،

۹ ۔ اسماعیل بن مسلم، ——— ان کا شمار اکابر رجال میں ہوتا ہے۔

۱۰ ۔ ایوب بن عتبیہ، ——— یہ پیروی سلف میں مشہور ہیں،

۱۱ ۔ بیان بن بشر، ——— غیر معمولی قوت اجتہاد کے مالک تھے،

۱۲ ۔ ابوبکر بن عبداللہ الھذلی، ——— اختلاف فکر و نظر کے باوجود امام صاحب نے ان سے استفادہ کیا

۱۳ ۔ ثابت ابوحمزہ الشمالی، ——— جن کا شمار رجال ترمذی میں ہوتا ہے

——— !، اسی سے ان کی جلالت قدر کا اندازہ ہوتا ہے۔

۱۴ ۔ ابن جریج عبدالملک، ——— ان کا حلقۂ درس مجموعۂ رنگا رنگ تھا، ہر طرح کے طالبعلم موجود تھے،

۱۵ ۔ ابوجناب یحییٰ الکلبی، ——— فقہ کے جملہ علوم پر مجتہدانہ نظر رکھتے تھے،

۱۶ ۔ حجاج بن ارطاۃ، ——— مشہور اور معروف شخصیت کے مالک تھے،

۱۷ ۔ حریز بن عثمان، ——— ہر اہل علم ان کی جلالت شان کا قائل ہے،

۱۸ ۔ الحسن بن حی، ——— ان کے علم کی گہرائی کا اندازہ ممکن نہیں،

۱۹ ۔ الحسن بن دینار، ——— اہل علم کے گروہ میں خصوصی احترام کے مالک ہیں،

۲۰ ۔ الحسن ابن عبدالملک بن میسرہ ——— مسند درس پر بیٹھے تو مرجع انام بن گئے،

۲۱ ۔ الحسن بن علی بن عمارہ، ——— دور دور سے لوگ اس سرچشمۂ علم پر پہنچتے اور سیراب ہوتے،

۲۲ ۔ حصین بن عبدالرحمان اسمی، ——— اخبار و آثار کی جستجو میں کھوئے رہتے،

۲۳ ۔ حسین بن عمرو بن میمون ——— روایات سلف کی تلاش ان کا مشغلہ تھا،

۲۴ ۔ حنظلہ بن ابی سفیان، ——— قضایائے علیؑ کے ماہر تھے،

۲۵ ۔ خصیف ابن عبدالرحمان، ——— فقہ کے ہر مکتب فکر کے رمز آشنا تھے،

۲۶ ۔ داؤد بن ابی ہند، ——— اپنا ایک مخصوص مکتب فکر رکھتے تھے،

۲۷ ۔ روح بن مسافر، ——— ان کی مجلس علم سب کے لئے کھلی تھی،

۲۸ ۔ السری بن اسماعیل، ——— فضل وکمال، تحقیق و تمحیص، اور دقت نظر میں اپنی مثال آپ تھے،

۲۹ ۔ سعید بن ابی عروبہ، ——— علوم قرآنیہ وفقہیہ پر پوری دسترس رکھتے تھے،

۳۰ ۔ سعید بن امرزبانؒ ——— ان کی طلاقت لسانی نے انہیں مرجع انام بنا دیا تھا،

۳۱ ۔ سعید بن مسلم، ——— جو بات سمجھاتے، اس طرح کہ دل میں اتر جاتی،

۳۲ ۔ سعید بن یحییٰ اللخمی، ——— اہل علم انہیں منارہ علم کہتے تھے،

۳۳ ۔ سفیان بن عیینہ، ——— فقہ اسلامی ان کے احسان سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی،

۳۴ ۔ ابوسفیان بن العلاء، ——— مشہور اور معروف اور یگانہ شخصیت کے حامل تھے،

۳۵ ۔ سلیمان التیمی، ——— اصحاب فقہ ان کی جلالت شان کے معترف ہیں،

۳۶ ۔ سلیمان بن مہران الاعمش، ——— ان کے حلقہ درس میں علم کی تعلیم عام تھی،

۳۷ ۔ سماک بن حرب، ——— تفقہ اور اجتہاد میں یکتا تھے،

۳۸ ۔ طلحہ بن یحییٰ، ——— ذاتی فضل و اعتبار سے بھی یگانہ تھے،

۳۹ ۔ طارق ابن عبدالرحمان، ——— انکا علم ایک وسیع سمندر تھا، جسکی تہ تک کوئی نہ پہنچ سکا،

۴۰ ۔ عاصم بن ابی النجود ——— علم حاضر، فکر رسائے اور ذوق علم میں اپنی مثال آپ تھے،

۴۱ ۔ عاصم الاحول، ——— ان کی مجلس درس میں دور دور سے لوگ کھنچے چلے آتے،

۴۲ ۔ عبداللہ بن سعید المقبری، ——— انہیں دیکھکر اندازہ ہوتا تھا کہ علم کیا ہے۔

۴۳ - عبداللہ بن علی، ــــــ علم کی عظمت کا انہی کی بارگاہ میں پہونچکر احساس ہوتا تھا،

۴۴ - عبداللہ بن عمرو، ــــــ ان کی وسعت علم کا معاصرین تک کو اعتراف تھا،

۴۵ - عبداللہ بن عمر، ــــــ جب مسند درس پر بیٹھتے تو ایسا لگتا جیسے علم خود بول رہا ہے

۴۶ - عبداللہ بن المحرز، ــــــ مشکل مسائل کو پانی کر دیتے تھے،

۴۷ - عبداللہ بن واحد، ــــــ ان کے پاس پہونچکر ہر دشواری آسان ہو جاتی تھی،

۴۸ - عبداللہ بن الولید المدنی، ــــــ علوم سنت اور فقہ کے ماہر تھے،

۴۹ - عبیدہ بن ابی رائطہ، ــــــ فقہ و اصول پر عمیق نظر رکھتے تھے،

۵۰ - عبداللہ بن ابی حمید، ــــــ ان کا استدلال، نا فہموں کو بھی قائل کر دیتا تھا،

۵۱ - عبدالرحمان بن ثابت، ــــــ جب لب کشائی کرتے تو مسائل فقہ آسان کر دیتے،

۵۲ - عبداللہ بن عبداللہ المسعودی، ــــــ آثار کے ماہر تھے،

۵۳ - عبدالرحمان بن عمر، ــــــ امام عصر تھے،

۵۴ - عبدالملک بن میسرہ ــــــ فقہ کے علاوہ دوسرے علوم میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے،

۵۵ - عیینہ بن عبداللہ، ــــــ اہل علم ان کی دقت نظر کے معترف ہیں،

۵۶ - عطاء بن المسائب، ــــــ علوم کتاب وسنت اور فقہ و اصول میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے،

۵۷ - عطاء بن عجلان، ــــــ ہر علم سے لگاؤ تھا،

۵۸ - العلاء بن کثیر، ــــــ مانے ہوئے اصحاب علم میں شمار ہوتے ہیں۔

۵۹ - عمرو بن دینار، ــــــ ان کی شخصیت ایک معیار ہے،

۶۰ - عمرو بن عثمان، ــــــ مطالعۂ علوم سے آخر وقت تک وابستہ رہے،

۶۱ - عمرو بن المہاجر، ــــــ کتاب ان کی بہترین رفیق تھی،

۶۲ - عمرو بن میمون، ــــــ فقہ کے حلقہ میں کون انہیں نہیں جانتا؟

۶۳ - ابن عمران، ــــــ یہ بھی اصحاب فقہ میں نمایاں شخصیت کے مالک ہیں،

۶۴ - عمرو بن یحییٰ بن عمارہ، ——— علوم تشریعی سے انہیں گہرا لگاؤ تھا،

۶۵ - عمر بن نافع ——— وہ کونسا علم تھا جوان کی دسترس سے باہر تھا ؟

۶۶ - غالب بن عبید اللہ، ——— اصحاب فقہ و حدیث ان کے ثنا خواں تھے،

۶۷ - غیلان بن قیس الہمدانی، ——— ان کی مسند درس، سرچشمۂ علوم تھی،

۶۸ - الفضل بن مرزوق، ——— جوان کے حلقۂ فیض میں پہنچ جاتا، وہ یگانہ بن جاتا،

۶۹ - فطر بن خلیفہ، ——— عالم باعمل تھے،

۷۰ - قیس بن الربیع ——— ان کے علم کی شان ہی کچھ اور تھی،

۷۱ - قیس بن مسلم ——— جب کسی مسئلہ پر زبان کو جنبش دیتے تو کوئی گوشہ تشنہ نہ چھوڑتے،

۷۲ - کامل بن العلاء ——— مرتبہ اجتہاد پر فائز تھے،

۷۳ - اللیث بن سعد، ——— ان کی قوت اجتہاد و رائے کے سب معترف تھے،

۷۴ - لیث بن ابی سلیم ——— ان کی مجلس درس میں ہر وقت طلبہ کا ہجوم رہتا،

۷۵ - مالک بن انس، ——— ان کی گراں مایہ شخصیت سے کون واقف نہیں ؟

۷۶ - مالک بن مغول ——— یہ بھی اپنے وقت کے امام تھے،

۷۷ - مجالد بن سعید، ——— فقیہ اور عالم سنن تھے،

۷۸ - محمد بن اسحاق صاحب المغازی، ——— ان کا نام ہی ان کے تعارف کے لئے کافی ہے،

۷۹ - محمد بن ابی حمید، ——— یہ بھی علوم تشریعی میں یگانہ تھے،

۸۰ - محمد بن سائب الکلبی، ——— طلبہ ہر وقت انہیں گھیرے رہتے،

۸۱ - محمد بن سالم، ——— ان کی شہرت اقطار اسلامیہ میں عام تھی،

۸۲ - محمد بن طلحہ ——— ان کا علم، ان کے وقار کا ضامن تھا،

۸۳ - محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن شعیب،

۸۴ - محمد بن عبید اللہ العرزمی،

۸۵ - محمد بن عمرو بن علقمہ ------ علوم دین ان کا خاص موضوع تھا۔

۸۶ - مسعر بن کدام ------ زندگی بھر فقہ کی مسند پر بیٹھے رہے۔

۸۷ - مسلم الخزالی ------ علم سے کسی وقت بے تعلق نہیں ہوتے تھے۔

۸۸ - مطرف بن طریف ------ حصول علم میں ہر دشواری ان کے لئے آسان تھی۔

۸۹ - ابو معشر ------ کسی کٹھن مرحلہ کو حصول علم میں انہوں نے حائل نہ ہونے دیا۔

۹۰ - مغیرہ بن مقسم ------ استاد کے دامن سے ایسے چمٹے کہ پھر اسے نہ چھوڑا۔

۹۱ - منصور بن المعتمر ------ اہل علم کے حلقہ میں مشہور و معروف ہیں۔

۹۲ - المنہال بن خلیفہ ------ جہاں علم کا چشمہ پایا وہاں پہنچے اور رہ پڑے۔

۹۳ - میسرہ بن عبد ------ علم کے لئے سفر کرنا ان کے نزدیک زندگی کا بہترین مشغلہ تھا۔

۹۴ - نافع مولی ابن عمر ------ حلقۂ درس میں جا کر سب کچھ بھول جاتے تھے۔

۹۵ - ابن طریف ------ کتاب ہاتھ میں لیتے اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے۔

۹۶ - ابن ابی نجیح عبداللہ ------ حدیث و فقہ سے غیر معمولی دلچسپی رکھتے تھے۔

۹۷ - النعمان بن ثابت (ابوحنیفہ) ------ فقہ کے جملہ علوم سے حد درجہ لگاؤ تھا۔

۹۸ - ورقاء الاسدی ------ علوم فقہ کے علاوہ دوسرے علوم سے بھی شغف رکھتے تھے

۹۹ - الولید بن عیسیٰ ------ کتاب و سنت کے معارف ازبر تھے۔

۱۰۰ - ہشام (ابن عروہ) ------ علوم تشریعی سے ان کا شغف حد کمال کو پہنچا ہوا تھا۔

۱۰۱ - ہشام بن سعید ------ فضل و کمال ان کا جوہر تھا۔

۱۰۲ - یحییٰ بن ابی انیسہ ------ اصول فقہ سے خاص طور پر لگاؤ رکھتے تھے۔

۱۰۳ - یحییٰ ابن سعید الانصاری ------ یکتا اور بے ہمتا۔

۱۰۴ - یحییٰ بن عبداللہ التیمی ------ علوم دینیہ ان کا موضوع سخن ہوا تھا۔

۱۰۵ - یحییٰ ------ ۵۳ ------ [illegible] نظر رکھتے تھے۔

۱۰۶ - یزید ابو خالد، ان کے تفقہ کا اعتراف اہل علم کے حلقہ میں عام تھا،

۱۰۷ - یزید بن ابی زیاد، علم فقہ کی ان سے اور ان سے علم فقہ کی زینت تھی،

۱۰۸ - یونس بن ابی اسحاق، یگانہ وہر فقیہہ تھے،

مذکورہ اساتذہ امام ابو یوسفؒ کی جو فہرست پیش کی گئی ہے، گو وہ تمام و کمال نہیں ہے لیکن ان اساتذہ میں رجال حجاز و عراق، اور جملہ اقالیم و بلدان و امصار کے شیوخ و اساتذہ شامل ہیں، ان میں بعض وہ بھی ہیں جو نقادان اخبار و روایات کی نظر میں ضعیف ہیں،

اصحاب جرح و قدح سے فقہاء کا اختلاف

لیکن اس موقعہ پر ایک بات ضرور پیش نظر رکھنی چاہیے کہ فقہاء رجال پر جو نظر ڈالتے ہیں، وہ ان کے موارد اخبار، اور ان کے بارے میں محض کلام متکلمین کے اعتبار سے ڈالتے ہیں، عام طور پر اصحاب جرح و قدح، جس طرح کسی شخص کو مجروح قرار دیتے ہیں، فقہاء، ان کی رائے کو صرف اس لئے کہ ان کی رائے ہے نہیں مان لیتے، اور خاص طور پر ان لوگوں کے بارے میں بالکل نہیں مانتے جن سے وہ کسب فیض کر چکے ہیں، جن کے پاس برس ہا برس رہ چکے ہیں، سالہا سال تک جن کی سیرت و کردار اور شخصیت کا بامعان نظر مطالعہ اور مشاہدہ کر چکے ہیں، تو اپنی رائے، اپنے مشاہدے، اور اپنی بصیرت کو کسی نقاد کی رائے پر وہ کس طرح قربان کر سکتے ہیں جن شیوخ کے ضبط و اتقان کا انہیں تجربہ ہے، ان کے بارے میں وہ دوسروں کی رائے کی تقلید کیوں کریں؟ ان سے زیادہ کون جان سکتا ہے کہ جن شیوخ کو انہوں نے کسب فیض کے لئے منتخب کیا، ان کے ضبط و اتقان غلبہ وہم و نسیان عدالت، اور قلت دین کا رمز شناس ان سے زیادہ بہر حال کوئی نہیں ہو سکتا،

اصحاب رجال اور شافعیؒ کے اساتذہ

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں امام شافعیؒ کے اساتذہ میں بھی ہمیں ایسے حضرات نظر آتے ہیں، جن کے بارے ہیں اصحاب رجال، اور بعض رواۃ نے نہایت متشددانہ رویہ

اختیار کیا ہے، لیکن امام شافعیؒ نقادانِ فن کے ان آرار کو قبول نہیں کرتے، اور ان شیوخ کے سامنے سرِ عقیدت خم کرتے ہیں، !

حیرت کی بات یہ ہے کہ اس امر پر نہ دوسرے متہم کیے جاتے ہیں، نہ ان پر اعتراض کیا جاتا ہے نہ انہیں موردِ طنز قرار دیا جاتا ہے، لیکن ابویوسفؒ کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جاتی، بلکہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان پر اعتراضات کیے جاتے ہیں، ؎

ابویوسفؒ کے اساتذہ میں ایک خاص بات جو قابل غور ہے یہ ہے کہ وہ ہر حلقۂ فکر سے تعلق رکھتے ہیں، اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابویوسفؒ کے شوق علم کا کیا عالم تھا؟

جو شخص بھی جس فن میں یکتا، مشہور، اور بے ہمتا نظر آتا، وہ اس کے دروازے پر پہونچے اور جو کچھ حاصل کر سکتے تھے کیا، علم کے معاملہ میں انہوں نے کبھی قناعت نہ کی، ؂

حرصِ علم

تحمّل، برداشت، لینت، ملاطفت

حسن بن زیاد نے امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ دونوں بزرگوں سے علم حاصل کیا تھا، اپنے ان اساتذہ کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

زفرؒ ابو یوسفؒ کا فرق

"میں زفرؒ اور ابو یوسفؒ دونوں کے حلقۂ درس میں شریک ہوا کرتا تھا، اور علم فقہ حاصل کرتا تھا، تعلیم کے سلسلہ میں ابو یوسف کو میں نے بہت زیادہ وسیع القلب، اور متحمل مزاج پایا، ان کی پیشانی پر کبھی بل نہیں آیا، امام زفر میں یہ بات نہیں تھی، وہ جھڑک دیا کرتے تھے،"

جب بھی امام زفر سے میں سوال کرتا، یا اپنی کوئی مشکل ان کی خدمت میں پیش کرتا، وہ سمجھاتے، میں نہ سمجھ پاتا تو پھر سوال کرتا، امام زفر پھر جواب دیتے، پھر بھی میری سمجھ میں نہ آتا اور میں پھر کچھ کہتا تو وہ خفا ہو جاتے اور ارشاد فرماتے، "نہایت نالائق ہو، عقل سے عاری، فہم سے خالی!! تم کبھی بھی علم حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے،"!

میں یہ سن کر دل برداشتہ ہو کر، بجھا ہوا، غمگین اور افسردہ امام ابو یوسفؒ کے حلقۂ درس میں پہنچتا، یہاں بھی میں سوال کرتا وہ جواب دیتے، گر میں نہ سمجھ پاتا، تو پھر الجھتا، پھر سوال کرتا، وہ پھر جواب دیتے، غرض بار بار یہی ہوتا لیکن ہر مرتبہ زیادہ سے زیادہ نرمی اور لینیت کے ساتھ مجھے سمجھاتے، اپنا علم میرے دل میں اتار دینے کی کوشش کرتے اور ارشاد فرماتے،

"کوئی بات نہیں، صبر کرو، غور کرو، بات کی تہ تک پہنچ جاؤ گے۔ مقصد حاصل کر لو گے، مراد کو پہنچ جاؤ گے"!

پھر فرماتے،

"میرے بس میں ہوتا تو جو کچھ میرے دل میں ہے تم سب کے دلوں میں انڈیل دیتا"!

تعلیم علم اور تعلیم مسائل

تعلیم علم، اور تعلیم مسائل سے امام صاحب کو بے انتہا دلچسپی تھی، اس کام سے وہ کبھی اور کسی حالت میں غافل نہ رہتے تھے، اب اس سے بڑھ کر کیا ہوگا، کہ عالم احتضار (حالت نزع) میں بھی وہ اپنے اس فریضہ سے غافل نہیں رہے،

ابراہیم ابن الجراح کی روایت ہے کہ:

"ابو یوسف بیمار پڑے، میں ان کی عیادت کے لئے حاضر ہوا، میں نے دیکھا بے ہوشی طاری ہے، جب ذرا افاقہ ہوا، آنکھ کھولی اور مجھ سے کہا۔

اے ابراہیم، رمی جمار میں افضل صورت کیا ہے؟ آیا رمی جمار پیدل کرنا چاہیے یا سوار ہو کر؟

میں نے جواب دیا،

"پیدل"!

فرمایا،

"غلط"! "

میں نے عرض کیا،

"سوار ہو کر"! "

ارشاد ہوا،

"یہ بھی غلط"! "

اس کے بعد فرمایا،

"جو شخص دعا کے لئے وہاں رکنا چاہتا ہو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ پاپیادہ رمی جمار کرے، اور جو نہ رکنا چاہتا ہو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ سواری پر بیٹھے بیٹھے رمی جمار کر لے، اور آگے بڑھ جائے"!"

ذرا دیر بیٹھ کر میں امام صاحب کے پاس سے رخصت ہوا، مشکل سے دروازے تک پہونچا ہوں گا کہ کان میں رونے دھونے کی آواز آئی، میں فوراً پلٹا معلوم ہوا، امام صاحب اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے ——— خدا ان پر اپنی رحمتیں نازل کرے، !

خصوصیات ابو یوسف

مذکورہ بالا واقعہ کتاب ابن ابی العوام میں اسناد کے ساتھ موجود ہے، اسی طرح کا ایک واقعہ صیمری نے بھی بہ طریق ابی عبید، ابراہیم بن الجراح سے روایت کیا ہے،

امام صاحب کے یہی وہ خصوصیات تھے، یہی وہ قوت صبر و برداشت اور تحمل و ملاطفت تھی، جس نے ان کے علم کو غیر معمولی طور پر بابرکت بنا دیا تھا، !

•

امر واقعہ یہ ہے کہ ابو یوسفؒ کے حرص علم، اور شوق علم کی کوئی انتہا نہ تھی، کوئی در ایسا نہ تھا، جہاں انہوں نے دستک نہ دی ہو، کوئی شیخ وقت ایسا نہ تھا، جس کے سامنے انہوں نے زانوئے شاگردی تہ نہ کیا ہو،

یہی چیز تھی جس نے انہیں، امام وقت بنا دیا، یہی چیز تھی جس نے ان کے علم کو بحر بے کراں بنا دیا، !

•

امام ابو یوسفؒ کے تلامذہ

جماعت کثیر کا کسبِ فیض و علم

امام ابو یوسفؒ سے ایک جماعت کثیر نے علم حاصل کیا، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، ساری فہرست کا اس موقع پر پیش کرنا تو ممکن نہیں، چند خاص نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں،

شاگردوں کی فہرست

۱۔ ابراہیمؒ بن الجراح المازنی، القاضی،

۲۔ ابراہیمؒ بن سلم الطیالسی،

۳۔ ابراہیمؒ بن یوسف بن میمون البلخی،

۴۔ ابو ابراہیمؒ بن معبد،

۵۔ احمدؒ بن حنبلؒ ———— جنہوں نے امام ابو یوسفؒ سے علم کے تین دفتر قلمبند کیے،

۶۔ احمد بن محمدؒ بن عیسیٰ السکونی،

۷ - احمدؒ بن منیع الحافظ، ——— حدیث کے حافظ تھے،

۸ - اسحاقؒ بن الفرات الکندی، ——— جزئیات فقہ پر عبور تام رکھتے تھے،

۹ - اسحاقؒ بن ابی اسرائیل، استاد کی ذات سے غیر معمولی شغف کی بنا پر ممتاز تھے،

۱۰ - اسدؒ بن الفرات ——— یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے سحنون سے پہلے مذہب امام مالک کو مدون کیا تھا،

۱۱ - اسماعیل ابن حماد بن ابوحنیفہ،

۱۲ - اسماعیلؒ بن الفضل، ——— گویا یہ علم ہی کے لئے پیدا ہوئے تھے،

۱۳ - اشرفؒ بن سعید النیسا بوری، ——— حصول علم کیلئے انہوں نے سفر کی ناقابل تصور تکلیفیں برداشت کیں،

۱۴ - بشار بن موسیٰ الخفاف البصری، ——— علم استاذ کے حامل اور عامل،

۱۵ - بشرؒ بن غیاث (۱)،

۱۶ - ابوعبدالرحمانؒ المریسی، ——— ان کی ذات گفتگو کا موضوع بنی رہی جس کا بعد میں ذکر ہوگا،

۱۷ - بشرؒ بن العتی، ——— علامۂ وقت، علم کے سوا کسی چیز سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی،

۱۸ - بشرؒ بن الولید الکندی، ——— بڑی مشکل سے آستانۂ امام تک پہنچے پھر وہاں سے نہ ہلے،

۱۹ - بشرؒ بن یزید ابی الازہر النیسا بوری، ——— اپنے فن میں کامل تھے،

۲۰ - ابوبکرؒ ——— یہ امام صاحب کے بھانجے تھے۔

۲۱ - توبہؒ بن سعد المروزی، ——— فن فقہ گویا ان کا رفیق و جلیس تھا،

۲۲ - جعفرؒ بن یحییٰ البرمکی، ——— یہ ہارون رشید کا وزیر اعظم تھا، ——— جسے کون نہیں جانتا؛

۲۳ - الحسن بن ایوب ابوعلی النیسا بوری۔ ——— انہیں علم کا بحر بے کراں کہنا چاہیے۔

لہ آگے چل کر، ان پر ہم نسبتاً تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

۲۴ - الحسنؒ بن زیاد اللولوی، ——— فن فقہ کے علاوہ دوسرے علوم میں بھی دستگاہ کامل رکھتے تھے،

۲۵ - الحسنؒ بن زیاد، بن عثمان، بن حماد الزیادی، ابو حسان، ——— فقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے،

۲۶ - الحسنؒ بن شبیب، ——— اصول فقہ میں ان کی نظر بہت وسیع تھی،

۲۷ - الحسنؒ بن ابی مالک، ——— استاد کا دامن اس مضبوطی سے پکڑا کہ پھر اسے نہ چھوڑا،

۲۸ - الحسنؒ بن مسہر، ——— فن پر دستگاہ کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی گوشہ نظر سے مخفی نہ تھا،

۲۹ - الحسینؒ بن ابراہیم بن الحر البغدادی، اشکاب، ——— جس شوق سے علم حاصل کیا اسی شوق سے اسے پھیلایا،

۳۰ - الحسینؒ بن حفص الاصفہانی، ——— حصول علم کیلئے کوئی دشواری ان کے لئے سنگ راہ نہ تھی،

۳۱ - الحسینؒ بن الولید، ——— ان کا اوڑھنا بچھونا، صرف علم تھا،

۳۲ - حفصؒ الفرد ——— علم کے سوا کسی مشغلہ سے کوئی سروکار نہ تھا،

۳۳ - حمادؒ بن دلیل، ——— پڑھتے بھی تھے، پڑھاتے بھی تھے، سیکھتے بھی تھے، سکھاتے بھی تھے،

۳۴ - حبانؒ بن بشر بن المخارق، ——— علم سے انکی شیفتگی جنون کی حد تک پہونچی ہوئی تھی،

۳۵ - خالدؒ بن صبیح، ——— ان کا وجود سراپا علم تھا، ——— علم نافع،

۳۶ - ابو الخطابؒ ——— یہ امام ابو یوسفؒ کے

کاتب بھی تھے، ...... اور بہت بڑے عالم بھی،

۳۷ - خلفؒ بن ایوب البلخی، ——— علم نافع کی تشہیر و ترویج ان کا مشغلۂ حیات تھا،

۳۸ - داودؒ بن رشید الخوارزمی) ——— راستہ کی ہر دشواری ان کے سمند شوق کے لئے تازیانہ تھی،

۳۹ - سعیدؒ بن ربیع الہروی ابو زید، ——— سراپا علم، سراپا فضل، سراپا کمال تھے،

۴۰ - سورہؒ بن الحکم، ——— دن ہو یا رات، علم کا رفیق و جلیس تھا،

۴۱ - سہلؒ بن مزاحم، ——— صحت اور بیماری ہر حالت میں یہ علم سے وابستہ رہتے،

۴۲ - شجاعؒ بن مخلد، ——— اپنے ساتھیوں میں ذکاوت کی بنا پر ممتاز تھے،

۴۳ - شعیبؒ بن سلیمان الکیسانی، ——— حاضر دماغی، نکتہ سنجی، اور ذہانت ان کی خصوصیت تھی، عالم با عمل تھے،

۴۴ ۔ شقیق بن ابراہیم البلخی، ـــــ انکی وراست فقہ کی اطراف و اکناف میں دھوم تھی،

۴۵ ۔ عباس بن الولید، ـــــ جزئیات فقہ پر غیر معمولی عبور رکھتے تھے،

۴۶ ۔ ابوالعباس الطوسی، ـــــ فقہ و اصول دونوں کے ماہر تھے،

۴۷ ۔ عبداللہ بن عمر بن خانم الرعینی، ـــــ فتاوائے سلف پر وسیع نظر رکھتے تھے،

۴۸ ۔ عبدالرحمان بن عبداللہ العمری ۔ ـــــ علم فقہ کو انہوں نے اپنا فن بنا لیا تھا،

۴۹ ۔ عبدالرحمان بن مسہر، ـــــ درواسات فقہ ان کا محبوب مشغلہ تھا،

۵۰ ۔ عبدالرحمان بن مہدی، ـــــ فقہ و اصول فقہ دونوں پر یکساں نظر تھی،

۵۱ ۔ عبدوس بن بشر الرازی، ـــــ جزئیات کے استقصار میں کمال رکھتے تھے،

۵۲ ۔ عثمان بن بحر الجاحظ ـــــ ان کی حیثیت اور شخصیت مشہورِ امام کی ہے،

۵۳ ۔ عثمان بن حکیم ۔ ـــــ آثار و اخبار پر عمیق نظر رکھتے تھے،

۵۴ ۔ حزم بن خردہ ـــــ روایات کی جانچ اور پرکھ سے غیر معمولی دلچسپی رکھتے تھے،

۵۵ ۔ عصام بن یوسف البلخی، ـــــ فقہ حنفی کے قبول عام اور مرجعیت میں انکے فضل و کمال کا حصہ بھی تھا،

۵۶ علی بن الجعد الجوہری الحافظ ـــــ صاحب "الجعدیات المشہورہ،" ـــــ اہل علم جس سے حوالہ کا کام لیتے تھے،

۵۷ ۔ علی بن حجر المروزی ـــــ ان کا پایۂ ثقاہت دوست، دشمن، سب کے نزدیک مسلم اور معروف تھا،

۵۸ ۔ علی بن حرملہ الکوفی، ـــــ غیر معمولی وسعت نظر اور وسعتِ علم کے حامل تھے،

۵۹ ۔ علی بن خشرم ـــــ کتاب و سنت، فقہ و روایت، اور آثار و اخبار کے ماہر تھے،

۶۰ ۔ علی بن صالح الجرجانی، ـــــ ان کے حرص علم کی کوئی انتہا نہ تھی،

۶۱ ۔ علی بن صبیح ، ـــــ اپنی اصابتِ فکر و نظر کے اعتبار سے یکتا تھے،

۶۲ ۔ علی بن عمروس القرطبی، ـــــ ان کا شوق علم دوسروں کے لئے دلیل راہ تھا،

۶۳ ۔ علی بن المدینی، ـــــ بہت جلد شہرت اور مرجعیت کے منصب پر فائز ہو گئے،

۶۴۔ علی بن مسلم الطوسی، ـــ علم کے نئے وسعت پیمائی اور سحر انوردی ان کا طرۂ امتیاز ہے،

۶۵۔ عافیہ بن عبدالملک ابوالیقظان المروزی، ـــ مسلم الثبوت فقیہ تھے،

۶۶۔ عمرو بن حماد، ـــ فقہ کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جس پر ان کی نظر نہ ہو،

۶۷۔ عمرو بن ابی عمرو الحرانی، ـــ ہر قسم کے مسائل پر عبور رکھتے تھے،

۶۸۔ عمرو بن محمد الناقد،

۶۹۔ عمرو بن الولید الاعصف، ـــ مسائل مختلف فیہ اور مجتہد فیہ کے عالم تھے،

۷۰۔ فرات بن نصر الہروی ـــ علم کے ساتھ ساتھ چلتا تھا،

۷۱۔ فرج بن عبداللہ ـــــــــــــــ یہ امام ابویوسف کے آزاد کردہ غلام تھے،

۷۲۔ الفضل بن حاتم، ـــ حدیث وتفسیر میں بھی درک رکھتے تھے،

۷۳۔ الفضل بن غانم، ـــ آثار وروایات کے ماہر تھے،

۷۴۔ الفضیل بن عیاض، ـــ علوم کتاب وسنت پر عبور کامل رکھتے تھے،

۷۵۔ القاسم ابن الحکم العرنی، ـــ روایات سلف سے غیر معمولی لگاؤ تھا،

۷۶۔ قتیبہ بن اسد، ـــ فتاوائے سلف پر گہری نظر تھی،

۷۷۔ محمد بن ابراہیم بن ابی سکینہ، ـــ علوم متنوع پر دسترس تھی، فقہ سے خاص طور پر لگاؤ تھا،

۷۸۔ محمد بن بکر بن خالد الفقیہ الاصغر ـــــــــــ یہ بھی امام صاحب کے کاتب تھے، ـــ اور حامل علوم شرع،

۷۹۔ محمد بن الحسن الشیبانی ـــــــــــــــ یہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد رشید، امام ابویوسف کے شاگرد اور ہم عصر، اور اپنے وقت کے بہت بڑے امام اور مجتہد تھے، ان پر امام ابویوسف اور امام ابوحنیفہ دونوں کو ناز تھا،

۸۰۔ محمد بن خالد الختلی الرازی، ـــ جامع علوم شخصیت کے مالک تھے،

۸۱ - محمد بن ابی رباہ الخراسانی، ـــــ ہر سر چشمۂ علم پر پہنچے اور سیراب ہوئے،

۸۲ - محمد بن سماعہ التیمی، ـــــ شب و روز مطالعہ میں مصروف رہنا ان کا کام تھا،

۸۳ - محمد بن صباح، ـــــ علم سے ان کا شغف حد کمال کو پہنچا ہوا تھا،

۸۴ - محمد بن عمرو بن السری المصری، ـــــ حدیث و سنت اور فقہ کے نشہ میں ہمہ وقت سرشار رہتے،

۸۵ - مخلد بن خالد، ـــــ آثار اور روایات کے ماہر تھے،

۸۶ - المثنیٰ بن منصور الرازی، ـــــ اخبار و احادیث اور کتاب الٰہی سے والہانہ ذوق رکھتے تھے،

۸۷ - المؤمل ابو عمرو المروزی، ـــــ رائے اور فکر فقہی کے اعتبار سے ممتاز تھے،

۸۸ - موسیٰ بن سلیمان الجوزجانی، ـــــ اہل علم کے حلقہ میں معروف شخصیت کے حامل ہیں،

۸۹ - ابو موسیٰ الانصاری، ـــــ اجتہادی مسائل پر غیر معمولی عبور تھا،

۹۰ - ابن ابی نجیح ـــــ مختلف فیہ مسائل پر محققانہ نظر رکھتے تھے،

۹۱ - نصر بن عبد الکریم البلخی، ـــــ مسائل فقہیہ کا ہر گوشہ ان کی نظر میں تھا،

۹۲ - وکیع بن الجراح، ـــــ وسیع النظر محقق تھے،

۹۳ - ہشام بن عبد الملک ابو الولید الطیالسی، ـــــ تحقیق مسائل میں ہمہ وقت مصروف رہتے،

۹۴ - ہشام بن عبد اللہ الرازی، ـــــ یگانۂ روزگار محقق تھے،

۹۵ - ہشام بن معدان ـــــ یہ بھی امام صاحب کے کاتب تھے، اور جامع علوم،

۹۶ - ہلال بن یحییٰ الرائی البصری، جو ہلال الرائی کے نام سے معروف ہیں، جن کی کتاب "احکام الوقت" معرکہ کی کتاب مانی جاتی ہے،

۹۷ - الہیثم بن خارجہ، ان کا اوڑھنا بچھونا صرف علم تھا،

۹۸ - الہیثم بن موسیٰ، ـــــ اگر دلچسپی تھی تو علم سے، ورنہ ہر طرف سے بے پرواہ تھے

۹۹ - یحییٰ بن آدم؟ ـــــ علوم فقہیہ پر ان کا بہت بڑا احسان ہے۔

۱۰۰۔ یحییٰ بن عبد الصمد، ________

۱۰۱۔ یحییٰ بن معین، ________

۱۰۲۔ یحییٰ بن النیشاپوری۔ ________

۱۰۳۔ ابن ابی یوسفؒ، ________ راوی "کتاب الآثار"

____

یہ ایک مختصر سی فہرست تھی، ان کے علاوہ بھی اور بہت سے شاگرد تھے، جو نامور ہیں،

ساتھی اور شاگرد

یہ فہرست جو اوپر مذکور ہوئی ہے، اس میں وہ لوگ بھی ہیں، جنہوں نے ابویوسفؒ کے ساتھ مل کر ابو حنیفہؒ سے فقہ کی تحصیل کی، اور بعد میں ابویوسفؒ کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا، اور ایسے اصحاب بھی ہیں جنہوں نے امام محمدؒ کی معیت میں ابویوسفؒ سے پڑھا، اور اس کے بعد امام محمدؒ کے حلقۂ درس سے باقاعدہ طور پر مستفید ہوئے۔

جیساکہ ذہبیؒ نے روایت کیا ہے، اہل علم کی ایک بہت بڑی جماعت نے امام ابویوسفؒ سے کسب فیض کیا، ان لوگوں میں وہ لوگ بھی نظر آتے ہیں، جو بعد میں مرتبۂ امامت و اجتہاد پر فائز ہوئے،

شافعی کی روایت ابویوسف سے؟

امام شافعیؒ نے امام ابویوسفؒ سے "الام" اور "المسند" میں محمدؒ بن حسن کے واسطے سے روایت کی ہے

جیساکہ حدیث "بیع الولاء" سے ظاہر ہوتا ہے، حالانکہ امام شافعیؒ کو براہ راست امام ابویوسفؒ سے کسب فیض کا موقعہ نہیں ملا تھا جیساکہ ابن تیمیہ، ابن حجر، اور سخاوی کا قول ہے،

لیکن بعض مسانید ابی حنیفہؒ میں، شافعیؒ کی جو روایتیں "ابویوسفؒ" سے مروی ہیں، یہ لغزش قلم کا نتیجہ ہیں، درحقیقت یہ "ابویوسفؒ" نہیں تھے، صرف یوسف تھے، یعنی یوسف بن خالد السمتیؒ!

بشر بن غیاث

امام ابویوسف کے شاگردوں کی جو فہرست صفحات بالا میں، ہم نے پیش کی ہے، ان میں بشر بن غیاث کا نام بھی آیا ہے۔

بشر بن غیاث نے خلق قرآن کے مسئلہ میں معتزلہ کی ہمنوائی کی تھی، اس پر امام ابویوسفؒ نے

انہیں سختی کے ساتھ ڈانٹا ڈپٹا، لیکن استاد کی فہمائش سے یہ متاثر نہ ہوئے،

ان کے بارے میں عبدالقاہر البغدادی کہتے ہیں! :

"مریسی و بشر بن غیاث، کا شمار اصحاب ابوحنیفہؒ میں ہوتا ہے، انہوں نے خلق قرآن کے مسئلہ میں معتزلہ کی ہمنوائی کی تھی، اور ان کے ساتھ ہو گئے تھے"!(۱)

اسی طرح ابن تیمیہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

"یہ مرجیہ میں سے تھے، معتزلی نہیں تھے"! (۲)

بعض لوگ انہیں اہل بدعت میں بھی شمار کرتے ہیں، حقیقت حال کا علم صرف خدا کو ہے۔

ابویوسفؒ کے شاگرد بشر مریسی

ابن زنجویہ احمد بن حنبل سے روایت کرتے ہیں کہ:

"میں ابویوسفؒ القاضی کی مجلس درس میں موجود تھا کہ میرے سامنے ابویوسفؒ نے بشر مریسی کو اپنی مجلس سے نکلوا دیا، وہ نکال دیئے گئے، اس کے بعد جب پھر میں ابویوسفؒ کی مجلس میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں، بشر مریسی وہاں موجود ہیں، میں نے ان سے کہا،

"جو کچھ آپ کے ساتھ بدسلوکی ہو چکی ہے، اس کے بعد آپ یہاں موجود ہیں؟"

بشر نے جواب دیا،

"میرے ساتھ جو بدسلوکی ہوتی ہے اس کی بنیاد پر میں اپنا وہ حصہ نہیں ضائع کر سکتا جو اس بارگاہ علم میں حاضر ہونے کے بعد مجھے ملتا رہتا ہے"!

ابن ابی العوام نے بطریق طحاوی اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے، کہ امام ابویوسفؒ بشر مریسی سے فرمایا کرتے تھے؛

---

(۱) اصول الدین، ص ۳۰۸

(۲) منہاج السنۃ ج ۱، ص ۲۵۲

"تم کتنے بڑے آدمی ہوتے اگر (مسئلہ خلق قرآن میں، تم نے غلط رائے نہ اختیار کرلی ہوتی)"!

بشر مریسی کے فضائل

صیمری کی روایت ہے کہ:

"بشر مریسی صاحب تصانیف و روایات کثیرہ ہیں، جو انہوں نے ابو یوسفؒ سے لکھیں، وہ اہل زہد اور ورع میں سے تھے، لیکن چونکہ علم کلام سے دلچسپی لینے لگے تھے اس لئے لوگ ان سے بدگمان ہو گئے، حسین النجار نے اپنا مذہب انہی سے استوار کیا تھا"!

امام شافعیؒ ایک مرتبہ جب بغداد آئے، تو بشر مریسی کے ہاں ٹھہرے:

امام ابویوسفؒ جامع فضائل گوناگوں تھے،

یہی وجہ تھی کہ ان کے آستانے پر ایک مرتبہ جو آجاتا تھا وہ پھر کسی اور در کا رُخ نہیں کرتا تھا،

ایک مرتبہ جو ان کی بارگاہ علم میں پہونچ جاتا تھا، پھر وہ کسی اور حلقۂ درس سے بے نیاز ہو جاتا تھا،

جو ان کے علم و بصیرت کی جھلک دیکھ لیتا تھا، وہ پھر کبھی اور کہیں نہیں جاتا تھا،

اجتہاد

نوعِ انسانی، اور ملّتِ اسلامیہ پر اسلام کا

عظیم الشان اور ناقابلِ فراموش احسان

!

○

اجتہاد اسلام کی خصوصیت ہے'!

دوسرے ادیان و مذاہب میں نہ اجتہاد کا حکم ہے' نہ اجتہاد کا اصول،
اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے، وہ انسانی ضروریات، احتیاجات پر ہمیشہ
ہمیشہ کے لئے مہر نہیں لگانا چاہتا، چند بنیادی مسائل تو بے شک ہر اعتبار سے
تغیّر و تبدّل سے آشنا نہیں ہو سکتے، لیکن اس کے بعد اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا
ہے، اس لئے کہ زمانہ کے ساتھ ساتھ انسان کے احوال و کوائف میں بھی تبدیلی
ہوتی رہتی ہے، ضروریات و احتیاجات بھی بدلتے رہتے ہیں، اس انقلاب
احوال کو اسلام نظر انداز نہیں کر سکتا تھا، اس نے اجتہاد کی اجازت دی،

لیکن اجتہاد کے کچھ شرائط بھی ہیں' ———————— ہر شخص
اجتہاد نہیں کر سکتا' ———————— !

مجتہد کے لئے بھی کچھ شروط و قیود ہیں ———————— ہر شخص
مجتہد نہیں بن سکتا، . . . . . .

○

امام ابو یوسفؒ کا پایۂ اجتہاد

اجتہاد کی تعریف، اور نوعیت و حقیقت

"اجتہاد"، ایک اصطلاح ہے!

سوال یہ ہے کہ اجتہاد سے مراد کیا ہے؟

اجتہاد نام ہے، دلائل کی پشت پناہی کے ساتھ حکم شرعی کے استنباط کا،

شرطِ اجتہاد

اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ:

- ——— کلام الٰہی پر پورا عبور ہو،
  زبان کے اعتبار سے بھی، اور معنی شرعی کے اعتبار سے بھی۔
  افراد و ترتیب سے پوری پوری واقفیت ہو،
- ——— علم سنت پر بھی عبور ہو،
  متن کی رو سے بھی، اور سند کے اعتبار سے بھی،
- ——— مواد اجماع کا علم کامل بھی،
- ——— وجوہ قیاس شرعی سے بھی واقفیت ہو،

جس کی تفصیل اصولِ فقہ کی کتابوں میں موجود ہے،

ابو یوسف کا ۱۷ سال تک ابو حنیفہ سے استفادہ

امام ابو حنیفہ کوفہ میں مسندِ درس پر متمکن تھے، فقہ کے شائق دور دراز مقامات سے کھنچ کھنچ کر ان کی بارگاہِ علم میں پہنچ رہے تھے، اہلِ علم کی ایک جماعت موجود تھی، جن کا اشتراک و تعاون انہیں حاصل تھا، تحقیقِ مسائل، تدقیقِ دلائل، تدوین، اجوبہ، میں یہ جماعت، امام ابو حنیفہ کی سربراہی میں مصروف و منہمک تھی، امام صاحب کی وفات تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔

امام ابو یوسف، امام ابو حنیفہ کے ساتھ تقریباً ۲۹ سال تک رہے۔ اس مدت میں انقطاعِ مجلس کے چند مختصر وقفے بھی شامل ہیں، لیکن بغیر کسی انقطاع کے، تواتر اور تسلسل کے ساتھ، ۱۷ سال تک وہ اپنے استاذِ جلیل کے دامنِ علم سے وابستہ رہے،

استاد کے مواہب و کمالات کا پرتو

امام ابو یوسف جیسا شخص جو اپنی ذکاوت، ذہانت، بصیرت، فراست اور قوتِ حافظہ کے اعتبار سے خود اپنی مثال آپ تھا، اتنی طویل مدت تک جب امام ابو حنیفہ سے استفادہ کرے گا۔ تو ظاہر ہے استاد کے مواہب اور کمالات کیا کچھ اس نے حاصل نہ کر لیے ہوں گے، ؟

یقیناً ایسا ہی ہوا،

اس طویل مدت میں، ابو یوسف نے ابو حنیفہ کا سارا علم، اپنے ذہن و دماغ میں جذب کر لیا، وہ مرتبۂ اجتہاد پر فائز ہو گئے،

اجتہادِ مطلق کے مرتبہ بلند پر فائز ہو گئے،

ابو حنیفہ کی سند

اس میں کوئی شبہ نہیں زندگی کی آخری سانس تک امام ابو حنیفہ کی ذاتِ گرامی سے اپنے انتساب کی وہ نگہبانی کرتے رہے، اس پر فخر کرتے رہے، استاذ سے انہوں نے جو کچھ حاصل کیا تھا، استاذ کا جو سلوک ان کے ساتھ مرعی رہا تھا، اس بارگاہِ فیض و کمال سے انہوں نے جو کچھ پایا تھا، اسے انہوں نے کبھی بھی فراموش نہیں کیا، وہ اسے تسلیم

کرتے تھے، کہ ان کی تکوین علمی، تمام تر رہین منت تھی ابوحنیفہؒ کی،

لیکن خود امام ابوحنیفہ نے اس بات کی گواہی دی تھی کہ:

"ابویوسفؒ اپنے طبقہ (فقہا) میں اس دنیا کے سب بڑے عالم ہیں!"

مذکورہ خراج تحسین، طحاوی نے سند کے ساتھ اسد بن الفرات سے روایت کیا ہے۔ جو خطیب کی تاریخ میں موجود ہے۔

ابویوسفؒ کا یگانہ فضل وکمال اور شان اجتہاد

اسی طرح ابویوسفؒ کے یگانہ فضل وکمال اور شانِ اجتہاد کی شہادت دیتے ہوئے

الحافظ، الفقیہ علی ابن الجعد (صاحب الجعدیات") کہتے ہیں:

"میں نے ابویوسفؒ کا سا پیکرِ علم وکمال کوئی اور نہیں دیکھا!"

ابن ابی عمران، جو طحاوی کے شیخ ہیں، فرماتے ہیں:

"میں نے علی بن الجعد ثوری جیسے صاحب فضل وکمال کو دیکھا، میں نے حسن بن صالح جیسے یگانۂ روزگار فرد کو دیکھا، میں نے امیر المومنین فی الحدیث امام مالک کو دیکھا، میں نے ابن ابی ذئب جیسی کمالات وخصائص گوناگوں رکھنے والی شخصیت دیکھی، میں نے لیث بن سعد جیسے نادر روزگار شخص کو دیکھا، میں نے شعبہ بن الحجاج جیسے فرد فرید کو دیکھا، لیکن کسی میں وہ بات نہ پائی جو امام ابویوسفؒ میں دیکھی!"

مذکورہ روایت صیمری نے پوری سند کے ساتھ روایت کی ہے، اور اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوسرے اہل علم پر امام ابویوسفؒ کے فضل اور مزیت کا کیا عالم تھا؟

اعمش کا قول ابویوسفؒ کے بارے میں

امام ابویوسفؒ کے فضل وکمال سے متاثر ہو کر بے ساختہ ایک مرتبہ اعمش کی زبان سے نکل گیا

تھا:

"تم طبیب ہو، ہم دوا ساز"!

یہ وہ موقع تھا جب اعمش کی روایت کردہ حدیث ہی سے ایک مسئلہ مستنبط کر کے امام صاحب نے ان کے استفسار کا جواب دیا تھا۔

اسی موقع پر اعمش نے یہ بھی کہا تھا،

"میں اس حدیث کی روایت اس وقت سے کر رہا ہوں جب تمہارے والدین ابھی ایک دوسرے کے قریب تک نہیں بنے تھے، لیکن اس کی یہ تاویل آج ہی اور ابھی معلوم ہوئی"!

اعمش کے یہ الفاظ امام صاحب کی دقت استنباط کا بہت بڑا ثبوت ہیں،

اپنے زمانہ کا سب سے بڑا فقیہہ

طلحہ ابن محمد بن جعفر الشاہد کا قول ہے!

"ابو یوسف اپنے زمانہ کے سب سے بڑے فقیہہ ہیں، ان کے عہد میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں تھا جسے ان پر فوقیت و ترجیح دی جا سکے"!

یحییٰ بن خالد کا بیان ہے:

"ایک مرتبہ ہمارے پاس ابو یوسف آئے، دان کی گفتگو سن کر ہمیں ایسا معلوم ہوا کہ ساری فضا فقہہ سے مملو ہے"!

فقہہ پر غیر معمولی عبور

عبد بن ابی داؤد الخریبی، جو بہت بڑے حافظ حدیث تھے، فرماتے ہیں:

"ابو یوسف کو فقہہ پر غیر معمولی عبور حاصل تھا، وہ کسی طرح بھی ان کی گرفت سے باہر نہیں نکل سکتی تھی"!

مذکورہ روایات ابن ابی العوام نے سند کے ساتھ بیان کی ہے۔

زفر اور ابو یوسف کے مناظرہ

امام زفر کا شمار بھی اصحاب ابوحنیفہ میں ہوتا ہے، یہ بھی اپنے وقت کے امام اور مجتہد تھے، ذکاوت و ذہانت اور قوت دلیل و استنباط میں مانے ہوئے شخص تھے، لیکن جب کبھی امام ابو یوسف سے بحث و مناظرہ کی

نوبت آتی تو وہی غالب رہتے، اور خود امام ابوحنیفہ انہی کی تائید کرتے،

معرفت آثار اور وسعت نظر

حقیقت یہ ہے کہ امام ابویوسفؒ ذکاوت وذہانت کے اعتبار سے بے مثل تھے، ان کی دلیل اتنی قوی ہوتی کہ اس کا توڑ وجواب کسی سے نہ بن پڑتا، ان کی قوت حافظہ نے تو ضرب المثل کی حیثیت اختیار کرلی تھی، معرفت آثار میں ان کی وسعت نظر ایک ناقابل تردید حقیقت ہے، آثار واخبار کے ساتھ شدت تمسک، ایک ایسا واقعہ ہے جو متفق علیہ ہے ——————— وہ لوگ جو امام ابویوسفؒ سے عقیدت رکھتے تھے، اور وہ لوگ جو نکتہ چین تھے، اور جرح وقدح کے عادی تھے، سب اس بات پر متفق ہیں کہ جو وسعت نظر، ذہانت، ذکاوت، قوت استنباط، قوت دلائل امام صاحب کو حاصل تھی، وہ ان کے عہد میں اور ان کے معاصرین میں کسی کو حاصل نہیں تھی،

یہی وجہ ہے کہ گو ان کے استنباط واجتہاد سے بعض مواقع پر کسی کو کچھ اختلاف ہوا لیکن ان کے پایۂ اجتہاد کا اعتراف ہر شخص کو ہے، ان کے ملکۂ اجتہاد کے سامنے کون ہے جو سر نہیں جھکاتا ؟

•

اجتہاد کا ملکہ، خدا کی بہت بڑی نعمت ہے۔

لیکن اجتہاد سے کام لینا آسان نہیں، اس کے لئے، علم، بصیرت، تدبر، فراست

وسعتِ فکر و نظر، اور اصابتِ رائے کی ضرورت ہے،

امام ابو یوسف میں یہ سارے خصائص بدرجۂ کمال موجود تھے،

•

درجاتِ اجتہاد

ایک دقیق علمی بحث

مجتہدین کی معروف تقسیمیں یہ ہیں:

- ——— مجتہد مطلق، مستقل، غیر منتسب،
- ——— مجتہد مطلق، منتسب،
- ——— مجتہد مقید بہ مذہب ——— جیسا کہ ابن حجر مکی نے بتایا ہے،

اس کا اجتہاد اپنے امام کے اصول پر مبنی ہوتا ہے۔(۱)

یہی بات مولانا عبد الحی لکھنوی نے بھی اپنی کتاب میں نقل کی ہے،(۲)

احمد بن عبد الرحیم دہلوی نے بھی یہ تقسیم اپنے ہاں نقل کی ہے۔(۳)

---

(۱) "رشیق الفارقہ"

(۲) "النافع الکبیر"

(۳) "الانصاف فی اسباب الخلاف"

لیکن ان دونوں بزرگوں نے درجات کی یہ تقسیم تو کر دی ہے، لیکن تعیین و تحقیق کے ساتھ اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر بحث و گفتگو کا حق نہیں ادا کیا ہے، اگرچہ درجات کی یہ تقسیم ابن الکمال الوزیر کے اس اصول سے ملتی جلتی ہے، جو انہوں نے درجات فقہا اور توزیع فقہا کے سلسلہ میں برتا ہے۔

طبقات فقہا

ابن الکمال نے جو طبقات فقہا قائم کئے ہیں وہ یہ ہیں:

طبقۂ اولیٰ مجتہدین شرع

یہ پہلا طبقہ مجتہدین شرع پر مشتمل ہے، مثلاً ائمہ اربعہ، اور وہ اہل علم جو ائمہ اربعہ کے مسلک پر عامل ہوں اور قواعد اصول اور استنباط احکام فروع کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل ادلۂ اربعہ کو بنیاد و اساس قرار دیتے ہوں، وہ ادلۂ اربعہ یہ ہیں:

۱۔ کتاب،

۲۔ سنت،

۳۔ اجماع،

۴۔ قیاس،

طبقۂ ثانیہ مجتہدین مقیدا

اس دوسرے طبقہ میں وہ مجتہدین شامل ہیں جو اپنے مذہب کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے، اور اپنے فقہی مذہب کے اصولوں کو پیش نظر رکھ کر اجتہاد کرتے ہیں، مثلاً، ابو یوسف، محمد اور جملہ اصحاب ابی حنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ،

یہ حضرات ادلۂ مذکورہ کی اساس پر استخراج احکام کی قدرت رکھتے ہیں جو ان کے استاذ ابو حنیفہ نے اس سلسلہ میں مقرر کر دیے ہیں،

یہ حضرات گو احکام فرعیہ میں اپنے امام اور استاذ (ابو حنیفہ) سے اختلاف کر جاتے ہیں، لیکن

قواعد اصول میں ان کی پوری پوری پیروی کرتے ہیں،

طبقۂ ثالثہ: مجتہدین مقلد یہ تیسرا طبقہ ان مجتہدین پر مشتمل ہے، جو صرف ان مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں جن کے سلسلہ میں صاحب مذہب (یعنی ان کے امام) سے کوئی روایت موجود نہیں ہے،

اس طبقہ کے لوگوں میں نمایاں نام یہ ہیں،

۱۔ خصاف،

۲۔ ابوجعفر الطحاوی،

۳۔ ابوالحسن الکرخیؒ،

۴۔ شمس الائمہ الحلوانی،

۵۔ شمس الائمہ السرخسیؒ،

۶۔ فخر الاسلام البزدویؒ،

۷۔ فخر الدین قاضی خانؒ، ——————— وغیرہ

یہ حضرات مجتہدین، نہ فروع میں، نہ اصول میں، اپنے شیخ کے خلاف جاسکتے ہیں، البتہ ان مسائل میں استنباط احکام کرسکتے ہیں، جن میں ان کے شیخ اور امام کا کوئی قول یا مسلک موجود نہ ہو، لیکن انہی اصولوں اور قاعدوں کے ماتحت جو ان کے امام اور شیخ نے مقرر کر دیے ہیں!

طبقۂ رابعہ: اصحاب تخریج چوتھا طبقہ ان مجتہدین پر مشتمل ہے، جو اصحاب تخریج کہلاتے ہیں،

امام رازیؒ وغیرہ اس گروہ میں شامل ہیں،

یہ حضرات مطلق اور اصولی طور پر تو اجتہاد نہیں کرسکتے، لیکن چونکہ اصول اور ماخذ سے پورے طور پر واقف ہوتے ہیں، اس لئے مجمل ذووجہین کی تفصیل کرسکتے ہیں،

مجمل ذووجہین سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا قول جو مجمل ہو، اور جس کے دو پہلو نظاہر نکلتے ہوں،

یہ اس کی تفصیل کر کے کسی ایک پہلو کو متعین قرار دیتے ہیں،

اسی طرح حکم مبہم محتمل للامرین کی توضیح بھی کر سکتے ہیں،

حکم مبہم محتمل للامرین سے مطلب یہ ہے کہ ایسا حکم جو واضح نہ ہو، بلکہ مبہم ہو، اور جس کے دو یا زیادہ معنی بہ ظاہر نکلتے ہوں، یہ حضرات اس کی توضیح کر کے کسی ایک معنی کو لازم قرار دے سکتے ہیں،

چنانچہ ہدایہ میں جو کہیں کہیں، یہ نظر آتا ہے۔

کذا فی تخریج الکرخی

کذا فی تخریج الرازی۔

وہ اسی قبیل سے ہے۔

طبقۂ خامسہ: اصحاب ترجیح ! مجتہدین کا پانچواں طبقہ اصحاب ترجیح کہلاتا ہے۔ اس طبقہ میں ابوالحسین القدوری اور صاحب ہدایہ[1] وغیرہ شامل ہیں،

ان حضرات کی شان یہ ہے کہ یہ صرف روایات میں ایک کو دوسری پر ترجیح دے سکتے ہیں، لیکن اپنے شیخ اور امام کے دائرہ تقلید سے قدم باہر نہیں نکال سکتے، کتب فقہیہ میں ان کے اقوال اس طرح نظر آئیں گے۔

هذا اولیٰ — یعنی یہ روایت دوسری کے مقابلہ میں زیادہ قابل قبول ہے۔

هذا اصح دراية — یعنی یہ روایت از روئے درایت زیادہ صحیح ہے۔

---

[1] ہدایہ فقہ کی مشہور درسی کتاب ہے جو بڑے درجوں میں پڑھائی جاتی ہے۔

[2] قدوری فقہ حنفی کے مسائل کا مجموعہ ہے جو کہ تقریباً سبھی مدارس اسلامیہ کے نصاب تعلیم میں شامل ہے اور ابتدائی درجوں میں پڑھائی جاتی ہے۔

رئیس احمد جعفری

اور قابل تسلیم ہے۔

هذا اصح رواية   یعنی اصول روایت کے اعتبار سے اسے دوسری روایت پر ترجیح حاصل ہے۔

هذا اوفق للقياس   یعنی یہ روایت از روئے اصول قیاس زیادہ درست اور قابل قبول نظر آتی ہے۔

هذا ارفق للناس   یعنی یہ روایت مصالح عامہ اور مفاد عام سے زیادہ قریب ہے لہٰذا یہی قابل عمل ہے۔

طبقہ سادسہ: اصحاب تمییز   مجتہدین کا چھٹا طبقہ اصحاب تمییز کہلاتا ہے۔ یہ اپنے شیخ اور امام کے مقلد ہوتے ہیں، اس دائرہ سے قدم باہر نہیں نکال سکتے، لیکن ان کی قوت تمییز قابل تسلیم ہوتی ہے یعنی جو روایتیں ہیں ان میں کون سی روایت:

- قوی ہے،
- کون سی زیادہ قوی ہے،
- کون سی روایت ظاہر مذہب کے مطابق ہے،
- کون سی روایت ظاہر روایت کے ذیل میں آتی ہے؟
- روایات نادرہ میں کون کی روایتیں شامل ہیں؟

ان سب باتوں کی تمییز انہی حضرات کا حق ہے۔

اس گروہ میں صاحب کنز، صاحب مختار، صاحب وقایہ، صاحب المجمع وغیرہ شامل ہیں۔

ان لوگوں کی شان یہ ہے کہ یہ حضرات اپنی کتابوں میں اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ نقل نہیں کرتے،

طبقۂ سابعہ یہ ساتواں گروہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جو مذکورہ بالا چھ طبقوں میں سے کسی میں نہیں آتا، یہ ہر طرح کے اقوال وروایات جمع کر لیتا ہے، جیسے رات کے اندھیرے میں کوئی شخص جنگل چلا جائے، اور وہاں سے اچھی اور بری، مضبوط اور کمزور، تر و تازہ اور سوکھی ہوئی، بے خار اور خار دار، ہر طرح کی لکڑیاں چن کر ڈھو کر لائے،

ایسے لوگ قابل ملامت ہیں،

اور جو لوگ ایسے لوگوں کی تقلید کرتے ہیں، وہ تو بے انتہا سزا وار ملامت ہیں،

والحمد للہ اولاً وآخراً تمت رسالۃ طبقات الفقہاء لابن الکمال الوزیر۔

جامع ومانع تقسیم ابن الکمال نے طبقات فقہاء کی جو تقسیم کی ہے، وہ بجائے خود جامع و مانع ہے یا نہیں، سردست یہ موضوع ہمارے دائرہ گفتگو سے خارج ہے لیکن ہم یہ ضرور عرض کریں گے کہ امام ابو یوسفؒ اور ان کے امثال کو "مجتہدفی المذہب" کہکر انہوں نے بہت بڑی زیادتی، اور امام یوسف کی توہین کی ہے، اور فکر و نظر کے عدم توازن کا ثبوت دیا ہے۔

امام محمدؒ، ابو یوسفؒ، اور زفرؒ کا پایہ مرجانی نے ابن الکمال کی اس تقسیم و توزیع پر اظہار رائے کرتے ہوئے کہا ہے،

"ابو یوسف، محمد بن الحسن، اور زفر کی منزلت کا مقصد میں یہ حال ہے کہ اگر وہ مالک اور شافعی سے برتر نہیں ہیں، تو کسی درجہ میں کمتر بھی نہیں ہیں" !

اور کون کہہ سکتا ہے کہ مرجانی کا یہ قول مبنی برحق و صداقت نہیں ہے؟

اجتہاد کی دو قسمیں واقعہ یہ ہے کہ اجتہاد کی دو قسمیں ہیں،

(۱) اعلیٰ،

۲- ادنیٰ،

اور ان دونوں قسموں کے درمیان بھی درجات متفاوتہ موجود ہیں، لہٰذا کسی فقیہ کی عام، اور اصولی طور

پر درجہ بندی کر کے اسے کسی زمرے میں شامل کر دینا، کوئی آخری اور قطعی فیصلہ نہیں مانا جاتا یا اگر کوئی فقیہہ اپنے استاذ سے انتساب اپنے لئے موجب فخر و ناز سمجھتا ہو، اور اس طرح اپنی سعادت مندی کا اظہار کرتا ہو، تو محض اس جذبۂ امتنان کے بدلے میں یہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اسے اہلِ اجتہاد مطلق و مستقل کے زمرے سے نکال کر، دوسرے کمتر زمرے میں شریک کر دیا جائے، حالانکہ اگر نگاہ غور سے دیکھا جائے، تو اپنے علم، دقتِ نظر، وسعتِ معلومات، قوتِ حافظہ، ذہانت اور ذکاوت کے اعتبار سے ان اکابر کے مقابلہ میں اعلیٰ منزلت کا حامل ہے، جو مجتہد مطلق مستقل مانے جاتے ہیں، اور جس ذات سے وہ اپنا انتساب کرتا ہے، دوسرے مجتہدوں کے مقابلہ میں (خواہ وہ مطلق اور مستقل ہوں یا نہ ہوں)، وہ کہیں اعلیٰ منزلت رکھتا ہے۔

"استقلال کا" دعوی؟

یہ بات بھی فراموش نہ کرنی چاہیے، کہ "استقلال" کا دعوے اپنے حقیقی معنی میں آئمہ متبوعین میں سے کسی کے بارے میں بھی صحیح نہیں،

ابوحنیفہؒ بھی مجتہد مطلق مستقل ہونے کے باوجود اس کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ ان کا عام مسلک وہی تھا جو فقہائے عراق کا تھا، یعنی اصحابِ علیؓ اور اصحاب ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا یا پھر اصحاب کے اصحاب، مثلاً، ابراہیم نخعی کا،

مالکؒ کا پایۂ اجتہاد

اسی طرح مالکؒ کے بارے میں بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا، مالکؒ بن انس کا سارا اجتہاد، اور سارا تفقہ کیا، ابن عمرؓ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما پر مبنی نہیں ہے؟ یا پھر ان دونوں اصحاب اور مدینہ کے فقہائے سبعہ پر، پھر ان کے اصحاب اور خاص طور پر، ربیعۃ الرائی پر کیا اس سے انکار کیا جا سکتا ہے؟،

شافعیؒ کی مجتہدانہ حیثیت

اب شافعیؒ کو لیجئے

شافعی کا اجتہاد مطلق، اور اجتہاد مستقل بھی، رہین منت تھا۔ ان

عباس رضی اللہ عنہا کا، اور ان کے اصحاب کا، اور ان اصحاب کے اصحاب کا، مثلاً مسلم بن خالد وغیرہ کا، اور پھر یہ امام شافعی، کیا فقہ حجاز کے ساتھ فقہ عراق کے بھی ممنون کرم نہ تھے؟

کیا ایک زمانہ تک یہ امام مالکؒ سے اپنا انتساب نہیں کرتے رہے؟ یہاں تک کہ عیسیٰ بن ابان نے ان کا رد کیا،

اور پھر کیا امام مالکؒ سے الگ ہونے کے بعد امام شافعیؒ امام محمدؒ سے اپنا انتساب نہیں کرتے ہے؟

اور کیا ان کے استقلال پر مسائل امام محمدؒ غالب نہیں ہے؟

مجتہد کا مقلد ہونا

اصل بات یہ ہے کہ کسی ایک مسئلہ میں، یا چند مسائل میں، ۔ ۔ ۔ ۔ کسی دوسرے مجتہد سے متفق اور ہم رائے ہونا، اسے مقلد نہیں بنا دیتا، بلکہ یہ اتفاق مبنی ہوتا ہے خود اس کی بصیرت اور قوت دلیل پر، جس طرح ایک مجتہد غور و فکر اور تحقیق و تمحیص کے بعد کسی ایک رائے پر پہنچ سکتا ہے، دوسرا مجتہد بھی تحقیق و تمحیص کے بعد، اسی رائے پر کیوں نہیں پہنچ سکتا؟

تقلید یا اتفاق رائے؟

ابوبکر قفالؒ، اور ابو علیؒ بن خیران، اور القاضی حسینؒ سے منقول ہے کہ یہ حضرات کہا کرتے تھے:

"ہم شافعی کے مقلد نہیں ہیں، البتہ ہماری رائے ان کی رائے کے موافق ہوتی ہے تو ہم بات مان لیتے ہیں!"

لیکن صرف ان کا یہ قول، انہیں امام شافعیؒ کے طبقہ میں نہیں شامل کر دے گا، کیونکہ متاخر کے لئے متقدم کا انکار، جبکہ اس نے تدوین علم کا کارنامہ انجام دیا ہو، اور اس سے متاخر نے فائدہ بھی اٹھایا ہو، کوئی اچھی بات نہیں ہے،

اسی طرح ابن خزیمہؒ اور ابن المنذرؒ کا یہ ادعا ناقابل قبول ہے کہ:

"ہم نے جب سے ہوش سنبھالا ہے کسی کی تقلید نہیں کی!"

نہ اس قول کے باعث، یہ حضرات مجتہد مستقل یا مجتہد منتسب مانے جا سکتے ہیں، ان میں سے اول الذکر

وہ صاحب ہیں جو ابن عبدالحکیم کے ردّ شافعی کے سلسلہ میں دست و بازو ثابت ہوئے، اور دوسرے وہ بزرگ ہیں، جو مسائل کو ایسے لوگوں کی طرف منسوب کیا کرتے تھے جنہوں نے کبھی وہ مسئلہ نہیں بیان کیا اور جن کا مشغلہ تقویت ضعیف، اور تضعیف قوی تھا، درجۂ اجتہاد تک پہونچنے کے لئے صرف انکار کافی نہیں، اس کے بعد کچھ شرائط بھی ہیں، ان کی تکمیل بھی ضروری ہے۔)

ایک سوال اور اس کا جواب

ابوالولید الباجی سے جب یہ پوچھا گیا کہ:

"مذہب مالکی میں ایسا کون شخص ہے جو درجۂ اجتہاد پر فائز ہو اور جملہ علوم پر حاوی ہو؟"

جیسا کہ ابن فرحون نے نقل کیا ہے، انہوں نے کہا،

"یہ درجہ مالک کے بعد، اسماعیل کے سوا اور کسی کو نہیں ملا"۔ (۱)

اگر باجی کا یہ قول صحیح ہے تو ابن عرفہ کے اس ادعا کا کیا حشر ہوگا، جس میں انہوں نے اپنے بعض شیوخ کو مالکیہ سے اختلاف کے باوجود مرتبہ اجتہاد پر فائز مانا ہے، ابن القاسم کے بارے میں تو بالفاظ واضح انہوں نے یہی کہا ہے۔ سوال قدرۃً یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ مجتہد فی المذہب تھے، یا مالکؒ کے مقلد؟ پھر امام لخمی مالکی کے فرزند ملالی، البزید، اور البوبوسی کے بارے میں کیا ہے؟ جو ان کے مرتبہ سے متعلق ان کے احوال و سوانح میں نظر آتا ہے؟

امام الحرمین کا قول

ان تمام باتوں کے جواب میں صحیح طور پر جو بات کہی جاسکتی ہے وہ امام الحرمین کا قول ہے جسے نووی نے مزنی کے حالات و سوانح کے ضمن میں لکھا ہے، جسے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:

"مزنی کا شمار اصحاب تخریج میں ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ اقوال شافعیؒ کے خلاف

---

(۱) اگرچہ، باجی اسماعیل القاضی پر تنہا نازاں نظر آتے ہیں، لیکن ان اسماعیل کے بارے میں داؤد ظاہری نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں، وہ بعید از انصاف ہیں۔

> نہیں جاتے، اس کے برعکس ابو یوسفؒ اور محمدؒ یہ دونوں اصحاب اپنے استاذ اور شیخ کے اصول کے خلاف بھی جاتے ہیں"! (۱)

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی مجتہدانہ حیثیت

اس سے ثابت ہوا کہ امام الحرمین کی نظر میں مزنی، مجتہد فی المذہب تھے، اور ابو یوسف و محمد، مجتہد فی المذہب سے بلند مرتبہ کے مجتہد تھے، کیونکہ یہ دونوں حضرات اپنی بصیرت اور فکر کے ماتحت اپنے امام اور شیخ سے اصول و فروع دونوں میں اختلاف کرتے تھے، اگرچہ اس امام اور شیخ سے اپنا انتساب کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے تھے،

باقی رہا کسی قائل کا یہ قول کہ ابو یوسفؒ اور محمدؒ صرف وہی کہتے تھے، جو انہوں نے اپنے استاذ اور شیخ سے سن رکھا تھا، اس موضوع پر ہم آگے چل کر کسی دوسرے باب میں گفتگو کریں گے۔

---

(۱) تہذیب الاسماء واللغات،

اہلِ علم کا خراجِ تحسین ابو یوسفؒ کی خدمت میں

ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں امام ابو یوسفؒ کو حفاظِ حدیث میں شمار کیا ہے'!

اس کے بعد ذہبی نے لکھا ہے':

"امام ابو یوسفؒ کے علم و سیادت کا چرچا ہر جگہ اور ہر کہیں ہے، میں نے ان کے اور امام محمد کے لئے جو ان کے اصحاب میں تھے، خاص طور پر ایک ایک رسالہ مناقب میں لکھا ہے"!"

مناقب ابو یوسف

امام صاحب کے مناقب میں ذہبی نے جو رسالہ لکھا ہے وہ زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکا ہے' اس میں ایک عنوان ہے۔

"ثناء الائمۃ علی ابو یوسف'!"

اس باب کے ماتحت امام صاحب کے مناقب و خصائل اور خصائص و کمالات کے اعتراف میں اہلِ علم نے جو کچھ کہا ہے وہ ذہبی نے نقل کر دیا ہے۔

ابو حنیفہ کی عیادت

اسد بن فرات محمد بن الحسن سے روایت کرتے ہیں، کہ انھوں نے کہا'

"ایک مرتبہ ابو یوسف بیمار پڑے، امام ابو حنیفہ ان کی عیادت اور مزاج پرسی

کے لئے تشریف لے گئے جب وہاں سے نکلے تو فرمایا :

"اگر یہ نوجوان مرگیا، تو ۔ ۔ ۔ کرۂ ارض پر اس سے بڑا عالم کہاں سے ڈھونڈا جائے گا ؟"

احمدؒ بن حنبل کا استفادہ ابو یوسفؒ سے

عباس الدوری کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ بن حنبل کو کہتے ہوئے سنا :

"جب پہلے پہل میں نے کتابت حدیث پر توجہ کی تو امام ابو یوسفؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، جو قاضی شہر تھے، چنانچہ میں نے ان سے بہت سی حدیثیں لکھیں[1] اس کے بعد پھر دوسرے لوگوں کے پاس کتابت حدیث کا مقصد لے کر پہنچا" !

اس کے بعد امام احمدؒ بن حنبل نے اسی سلسلۂ گفتگو میں فرمایا،

"امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ سے زیادہ، ابو یوسفؒ میں ہم کشش محسوس کرتے تھے" !

یحییٰ بن معین کا قول

ابراہیم بن ابی داؤد البراسی کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین کو کہتے ہوئے سنا :

"اصحاب رائے میں ابو یوسفؒ سے زیادہ اثبت فی الحدیث، اور اصح الروایت میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا" !

عباس الدوری کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین کو کہتے ہوئے سنا :

"ابو یوسف اصحاب حدیث تھے اصحاب سنت تھے" !

محمد ابن سماعہ کہتے ہیں کہ مجھ سے یحییٰ بن خالد نے بیان کیا کہ :

---

[1] جیسا کہ گذر چکا ہے، احمدؒ بن حنبل نے ابو یوسفؒ سے تقریباً تین دفتر حدیثوں کے لکھے ۔

"ہمارے پاس ابویوسفؒ آئے، اور انہوں نے ساری فضا فقہ سے بھر دی، !"

اعمشؒ اور ابویوسفؒ

بشر بن الولید کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے ابویوسف نے بیان کیا، :

"اعمش نے مجھ سے ایک مسئلہ دریافت کیا، میں نے اس کا جواب دیا،

اعمشؒ نے مجھ سے پوچھا،

"یہ بات تم کس بنیاد پر کہہ رہے ہو؟"

میں نے جواب دیا،

"اس حدیث کی بنیاد پر جو آپ نے ہم سے بیان کی تھی، !"

اعمش نے کہا،

"اے ابویعقوب، یہ حدیث مجھے اس وقت سے یاد ہے، جب ابھی تمہارے والدین کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی، لیکن اس کی جو تاویل تم نے اس وقت بیان کی، اس طرف تو ذہن کبھی منتقل نہیں ہوا تھا، !"

ابن الثلجیؒ کا قول

ابن الثلجی کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہؒ بن داؤد الخریبی کو کہتے ہوئے سنا کہ :

"ابویوسف کو فقہ پر عبور تام حاصل تھا، علم فقہ کا ہر گوشہ ان کی نظر میں تھا، وہ جس طرح چاہتے تھے اسے استعمال کرتے تھے، اسے پورے طور پر انہوں نے اپنی گرفت میں لے لیا تھا، !"

اصحاب رائے میں ابویوسفؒ کا مرتبہ

عمرو بن محمدؒ الناقد کا قول ہے، :

"اصحاب رائے میں سے کسی سے بھی روایت کرنا میں پسند نہیں کرتا، سوا ابویوسفؒ کے، کیونکہ وہ صاحب سنت تھے، !"

امام احمد بن حنبل کا قول ہے، !

"ابویوسف منصف فی الحدیث تھے، !"

ابویوسفؒ مفسرِ قرآن

ابوحازم القاضی، بکر العمی سے، اور وہ ہلال الرائے سے روایت کرتے ہیں کہ :

"ابویوسفؒ تفسیر کے حافظ تھے، مغازی کے حافظ تھے، ایامِ عرب کے حافظ تھے، اور متعدد اور متنوع علوم میں انہیں کامل دستگاہ حاصل تھی، ان میں ایک فقہ کا علم بھی تھا،"

مزنی کا قول ہے، :

"ابویوسفؒ کی پیروی اتباعِ حدیث کے باعث کی جاتی تھی، !"

ابویوسفؒ کا ذوقِ عبادت

احمد بن عطیہؒ کہتے ہیں کہ میں نے محمدؒ بن سماعہ کو کہتے ہوئے سنا، :

"منصبِ قضا پر فائز ہونے کے بعد ابویوسفؒ کا معمول یہ تھا کہ ہر روز دو سو رکعتیں پڑھا کرتے تھے، !"

اصحابِ حدیث اور ابویوسفؒ

عباسؒ کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معینؒ کو کہتے ہوئے سنا :

"ابویوسفؒ اصحابِ حدیث کو بہت زیادہ پسند کیا کرتے تھے، اور ان کی طرف بے حد مائل تھے، !"

صدوق اور ثقہ

عبداللہ بن علی المدینیؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو فرماتے ہوئے سنا،

"سنہ ۱۸۰ھ میں جب امام ابویوسفؒ بصرہ تشریف لائے، تو ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، وہ دس حدیثوں کی روایت کرتے، دس رائے بیان کرتے وہ صدوق اور ثقہ تھے، !"

نزاکتِ بیان اور حسنِ کلام

حسینؒ بن الولید کہتے ہیں، :

"ابو یوسفؒ جب کلام کرتے تھے تو انسان چکر کھا جاتا تھا، اور ان کی نزاکتِ بیان اور حسنِ کلام سے حیران رہ جاتا تھا، ! میں نے ایک روز دیکھا کہ ایک مسئلہ غامضہ پر وہ گفتگو کر رہے ہیں، زبان اس طرح چل رہی تھی، جیسے تیر بے خطا، اکثر لوگ نزاکتِ بیان و معنی کی بنا پر ان کا مفہوم پورے طور پر نہیں سمجھ سکے، ہم سب اس بات پر بہت متعجب تھے، اور بڑی دیر تک آپس میں چہ می گوئیاں کرتے رہے کہ خدا نے اس شخص کیلئے زبان و بیان کا جوہر کس طرح مسخر کر دیا ہے، اور ہر مشکل اس کے لئے کس درجہ آسان ہے، !"

استاذ کیلئے دعائے مغفرت کی پابندی

ابوالقاسمؒ شرف الدین بن عبدالعلیم، نے اپنی کتاب[1] میں ایک خاص فصل مناقب ابو یوسف کے لئے وقف کی ہے،

صیمری حسن بن ابی مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا،

"میرے سامنے ایک مرتبہ ابو یوسفؒ نے کہا، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے نماز پڑھی ہو، اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لئے دعائے مغفرت نہ کی ہو، !"

فقیہوں میں سب سے بڑا فقیہہ

علی بن صالح جب ابو یوسفؒ سے حدیث روایت کرتے تو کہتے، :

"حدیث بیان کی مجھ سے اس شخص نے جو فقیہوں میں سے بڑا ہے، قاضی القضاۃ ہے، علماء کا سردار ہے، یعنی ابو یوسفؒ، !"

بشر کے دل میں ابو یوسفؒ کی عظمت

ایک روز املا کراتے ہوئے۔ اپنے ستملیوں (املا کرنے والوں) سے بشرؒ بن الولید نے

---

[1] قلائد عقود الاعیان فی مناقب ابی حنیفۃ النعمان

جب کہ کسی نے امام ابویوسفؒ کو صرف "یعقوبؒ" کے نام سے ذکر کیا تھا کہا،

"کیا اس یگانۂ روزگار شخص کی عظمت سے تمہارے دل خالی ہیں؟ کیا تم اس کا احترام نہیں کرتے، یقین کرو، میں نے ابویوسفؒ جیسا صاحب فضل و کمال آج تک نہیں دیکھا"!

اور یہ بشرؒ بن الولید وہ بزرگ ہیں جو ابن ابی ذئبؒ اور شعبہؒ وغیرہ کی مجلس علم میں شریک ہو چکے، اور ان سے استفادہ کر چکے ہیں!

ابویوسفؒ کا ذکر استحقار سے

طحاوی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابن ابیؒ عمران کو کہتے ہوئے سنا کہ:

"علی بن الجعد ہمیں املا کرا رہے تھے، اتنے میں انہوں نے فرمایا"

"ابویوسف نے ہم سے حدیث بیان کی"!

مجلس شائقین علم، اور شاگردوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا،

"کیا آپ ابویوسفؒ کا ذکر کر رہے ہیں؟"

اس انداز گفتگو سے علی بن الجعد نے یہ محسوس کیا کہ بات کرنے والا امام ابویوسفؒ کا ذکر اجلال و اکرام سے نہیں کر رہا ہے، اور جن شایان شان الفاظ میں یہ نام لینا چاہیے تھا اس سے گریز کر رہا ہے، علی نے بپھرے ہوئے لہجہ میں اس سے کہا،

"جب تم ابویوسفؒ کا ذکر کرنا یا ان کا نام لینا چاہو، تو تمہیں چاہیے کہ پہلے اپنا منہ اشنان (ایک خوشبودار گھاس)، اور گرم پانی سے دھولو، پھر یہ نام نامی زبان پر لاؤ"!

اور یہؒ ابن ابی عمران وہ بزرگ ہیں جو، ثوریؒ، حسنؒ بن صالح، مالکؒ، ابن ابی ذئبؒ

لیث بن سعدؒ، اور شعبہ بن الحجاجؒ کی مجلس میں بیٹھ چکے، اور ان اکابر کا نظارہ کر چکے ہیں،

نسائی کی توثیق

قریشی کا قول ہے کہ :

" ابو یوسفؒ، ثقہ اور صدوق تھے "۔!

" نسائی نے بھی امام ابو یوسفؒ کی توثیق کی ہے اور انہیں ثقہ فی الحدیث مانا ہے "!

شیخ وقت، متقی، پرہیزگار

ابن حبان، ابو یوسف کے حالات و سوانح کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں، : (۱)

" ابو یوسفؒ شیخ وقت تھے، متقی اور پرہیزگار، ان میں کوئی بات ایسی نہ تھی، جو ان کی ثقاہت کو کمزور کرتی ہو، یا انہیں مجروح کرتی ہو، یا انہیں سزاوارِ قدح قرار دیتی ہو، اگرچہ ہمیں ان سے اختلاف ہے، لیکن یہ اختلاف ہماری اس رائے میں حائل نہیں ہو سکتا جو ہر انسان کی عدالت اور جرح سے متعلق واقعات و حقائق کی روشنی میں ہم قائم کرتے ہیں اور جس کا وہ حقیقی طور پر مستحق ہوتا ہے، چنانچہ ہم نے زفرؒ اور ابو یوسفؒ کو ثقات میں داخل کیا ہے، کیونکہ روایتِ حدیث کے سلسلہ میں ان دونوں کی عدالت ہم پر ظاہر ہو چکی ہے، اور ہم انہیں عدول تسلیم کرنے پر مجبور ہیں، لیکن (اس طبقہ میں)، جو لوگ ان دونوں (زفرؒ اور ابو یوسفؒ) کے پایہ کے نہیں ہیں انہیں بے شک ہم نے ضعفا میں شمار کیا ہے، اور ان سے احتجاج ہم جائز نہیں سمجھتے "!

مردِ صالح، کثیر الصوم

آگے چل کر موصوف نے ابو یوسفؒ اور ان کے صاحبزادے یوسفؒ کے ذکر وفات کے سلسلہ میں فرمایا ہے، !

(۱) کتاب الثقات،

"میں نے قحطبہ سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے محمد بن الصباح کو ایک مرتبہ یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک بار مجھ سے پوچھا گیا،

"تم ہیثم سے سنی ہوئی حدیثیں کیوں نہیں لکھتے ؟"

میں نے جواب دیا،

"اس لئے کہ ایک مرتبہ سماعت حدیث کے بعد جب میں ان کی مجلس سے اٹھ رہا تھا، تو میں نے ایک مسئلہ پوچھا، انہوں نے جو جواب دیا بہ صرف اس سے میری تشفی نہیں ہوئی بلکہ وہ ٹھیک بھی نہیں تھا، پس پھر میں نے ہیثم کو چھوڑ دیا، اور ابو یوسف کا دامن پکڑ لیا، ابو یوسف مرد صالح تھے، اور اکثر روزے رکھا کرتے تھے" ! ۱

ابن حبانؒ کی کتاب دمشق کے کتب خانۂ ظاہریہ کے "مخطوطات" میں موجود ہے، اس کا نمبر ۱۱، ہے" !

علی بن المدینی اور ابو یوسف

احمد بن عمر کامل الشجری جو ابن جریرؒ کے اصحاب میں سے تھے کہتے ہیں !

"یحییٰ بن معین، احمد بن حنبلؒ اور علی بن المدینی، اس پر متفق تھے کہ ابو یوسف ثقہ اور عدول ہیں" ! " ۱۱

ابو یوسف اور ابو معشر

وکیع "القاضی حسین بن محمد بن ابی معشر سے" اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں !

"ابو یوسف حیرہ میں ابو معشر کو املا کرایا کرتے تھے" !

۱۔ اخبار القضاۃ،

محمد بن اشکاب ترجمہ عمر بن حفص بن غیاث سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں!

«حجاج بن ارطاۃ ہمیں املا نہیں کراتے تھے، جب وہ درس دے کر اٹھ جاتے تھے، تو ہم سب لوگ ابو یوسف کو گھیر لیا کرتے تھے اور وہ املا کرانے لگتے تھے!!»

ابو یوسف کا ذکر خیر

ابو عبد اللہ صیمری (۱) اور ابو القاسم بن ابی العوام الحافظ (۲) نے مناقب ابی یوسف بڑے بسط و تفصیل سے اپنی اپنی کتابوں میں بیان کئے ہیں،

اسی طرح خطیب نے بھی اس لاگ کے باوجود جو انہیں ہمارے اصحاب سے ہے، (۳) اسانید کے ساتھ بطریق طحاوی وصیمری، پوری شرح وبسط کے ساتھ ایک سے زائد بار، ابو یوسف کے مناقب بیان کئے ہیں، اور ان کے بارے میں جملۂ حالیہ استعمال کئے ہیں،

ابو یوسف پر اظہار رائے

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے مدون فکر و نظر سے لوگ اختلاف رکھتے ہوں، یا اتفاق یہ حقیقت ہے کہ ان کے کمالات وفضائل کا اعتراف سبھی کو کرنا پڑا ہے، ان کے ثقہ اور عدول ہونے سے بھی اختلاف کی جرأت شاید ہی کسی کو ہوئی!

چنانچہ جہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خوف خدا سے بے پروا ہو کر، جہاں بعض لوگوں نے مناقب کے بجائے مثالب بیان کئے ہیں، وہاں اکثریت ایسے اہل علم کی ہے، جنہوں نے ان بزرگوں کے مرتبہ اور شان کے اعتراف میں بخل سے کام نہیں لیا ہے!

مناقب وفضائل

چنانچہ چند اہل علم نے ان بزرگوں کے مناقب وفضائل اپنی اپنی کتابوں یا رسالوں میں بیان کئے ہیں، ذیل میں اختصار کے ساتھ ہم اس کا ذکر کرتے ہیں!

(۱) . اخبار ابی حنیفہؒ واصحابہ

(۲) . فضائل ابی حنیفہؒ واصحابہ

(۳) . « « لابن »

- ـــــ مناقب ابی حنیفہؒ ـــــ موفق المکی نے لکھے ہیں،
- ـــــ اسی طرح صاحب "الفتاوی البزازیہ" نے بھی بسط وتفصیل سے کام لے کر، مناقب سپرد قلم کئے ہیں،
- ـــــ ابن ابی العوام القاضی الکبیر نے بھی اس سلسلہ میں قلم اٹھایا ہے۔ ان کا شمار، نسائی اور طحاوی کے اجل اصحاب میں ہوتا ہے ۳۳۰ھ کے لگ بھگ ان کا انتقال ہوا۔
- ـــــ تقاعی نے قاضی احمد (۱) بن محمد بن عبداللہ ابن محمد بن احمد بن یحیٰ الحارث السعدی، المعروف بہ ابن ابی العوام کی کتاب کا ذکر کیا ہے، جو انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے جد ابی القاسم سے روایت کی ہے، اس کے اسانید حد درجہ صحیح ہیں،
- ـــــ ذہبی نے تو مناقب ابی یوسف میں پورا ایک رسالہ لکھا ہے، جو فوائد عجلیہ پر مشتمل ہے،
- ـــــ اسی طرح ابوالقاسم القربتی نے ابویوسفؒ پر جو کچھ لکھا ہے، وہ بھی بہت اہم، اور معلومات

---

(۱)۔ ان کا شمار ثقات اہل علم میں ہوتا ہے، ۲۱ شعبان ۳۰۵ھ میں اتوار کے دن ان کا انتقال ہوا، ملاحظہ ہو، کندی کی کتاب "قضاۃ مصر"!!

اس کے علاوہ، "تاج التراجم" ص ۹۵ پر بھی ان کے حالات و سوانح دستیاب ہوسکتے ہیں،

ابن حجر کا خیال ہے کہ اصل مولف یہی ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں، اصل مولف ان کے جد ہیں، جن کا ذکر نسائی نے اور ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں کیا ہے، یہ صرف راوی کتاب ہیں،

افزا ہے۔

علامہ نوح بن مصطفیٰ القونوی، صاحب مؤلفات کثیرہ نے بھی ایک رسالہ امام صاحب کے حالات میں لکھا ہے۔

زیلی کا رسالہ بھی اس سلسلہ میں قابل ذکر ہے،

امام ابو یوسف کی شان میں ائمہ وقت نے ثنا و صفت کے جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ بہت ہیں، لیکن ہم جتنا کچھ لکھ دیا اب اسی پر اکتفا کرتے ہیں'!

رضی اللہ عنہ ونفعنا بعلومہ۔

•

امام ابویوسف کی شان میں وقت کے اکابر نے ثنا وصفت کے جو الفاظ استعمال کئے ہیں، ان سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے، کہ ان کے علم، اجتہاد، اصابت رائے، اور پختگی فکر سے ان کے معاصرین، کس درجہ متاثر تھے، اور کس طرح بے ساختہ وہ ان گمبھیر عالم کے حضور میں خراج عقیدت پیش کرنے پر اپنے تئیں مجبور پاتے ہیں،

•

مؤلفاتِ امام ابو یوسفؒ

حقائق و معارف کا بحرِ بے پایاں

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مؤلفات کثیرہ کا ذکر کتبِ اہل علم میں موجود ہے، لیکن ان میں سے اکثر کتابیں ناپید ہو چکی ہیں، صرف چند ایسی ہیں جن تک ناظر کی رسائی ہو سکی،

کتب ابو یوسفؒ

ذیل میں ہم امام صاحب کی کتابوں کا کسی حد تک ——— کیونکہ یہی ممکن ہے ——— ذکر کرتے ہیں، حسب ضرورت کہیں کہیں، دو چار الفاظ تعارف کے بھی کہہ دیئے جائیں گے،

۱- کتاب الآثار

یہ کتاب اولاً فقہ پر مشتمل ہے، اس کے مرویات زیادہ تر امام ابو حنیفہؒ سے ہیں جو امام ابو یوسفؒ کے شیخ، استاذ، اور امام تھے،

۲- اختلاف ابن ابی لیلیٰؒ و ابی حنیفہؒ!

اس کتاب میں، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، امام ابو حنیفہؒ اور ابن ابی لیلیٰ، القاضی کے اصولی اور فروعی اختلافات کا ذکر ہے، جس سے دونوں بزرگوں کے نقطۂ فکر و نظر سے بڑی حد تک آگاہی ہو جاتی ہے۔

۳ - الرد علی سیر الاوزاعی اس کتاب کا موضوع بھی اس کے نام سے ظاہر ہے، امام ابو یوسف نے اوزاعی کے رد میں جو دلائل پیش کئے ہیں، اور جو نکات بیان فرمائے ہیں، اور جس وقت نظر، وسعت علم، اور تکرعمیق اور تمحیص وتحقیق کا ثبوت دیا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔

۴ - کتاب الخراج یہ کتاب امام صاحب نے خلیفہ ہارون رشید کے لئے تحریر فرمائی تھی اس میں احکام اموال درج ہیں جو رشید کی استدعا پر امام صاحب نے ملخص اور تالیف فرمائے تھے۔

اس کتاب کے مقدمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کے سینہ میں کیسا جری اور نڈر دل تھا، حق کے معاملہ وہ کسی سے خائف ہونا جانتے ہی نہیں تھے ان کے طبقہ میں سے کسی شخص نے کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی، جو اس کی ہم پایہ اور ہم رتبہ ہو، یا اس سے ٹکر لے سکے، بلکہ اگر ہم یہ کہیں کہ اس کتاب کا جواب آج تک نہیں ہو سکا تو ذرا بھی مبالغہ نہیں ہوگا،

جس شخص نے اس کتاب کا، اور اس موضوع پر دوسری کتابوں کا مطالعہ کیا ہے وہ اس اعتراف پر مجبور ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع، مغز اور مواد کے اعتبار سے بہمہ جہت لاثانی اور بے مثل ہے۔

اس کتاب کی متعدد شرحیں بھی لکھی گئی ہیں، جن کے ذریعہ اس کتاب کے نکات مکنون کو اجاگر کیا گیا ہے، علم ومعرفت کے جو خزینے اس میں موجود ہیں ان کی نشان دہی کی گئی ہے اور جو حقائق اس میں زیر نقاب ہیں، انہیں نمایاں کیا گیا ہے۔

۵ - المخارج والحیل اس کتاب کی نسبت امام صاحب کی طرف کی جاتی ہے، لیکن تحقیقی طور پر یہ بات قابل غور وتامل ہے، اس کا ایک نسخہ دار الکتب المصریہ

میں موجود ہے، نیز آستانہ (قسطنطین) کے کتب خانہ علی پاشا شہید میں بھی اس کا ایک نسخہ ہے، اس کی طباعت کا اہتمام یوزف شاخت مشہور جرمن متشرق نے کیا تھا،

۶ - کتب فی الاصول والامالی، محمد بن اسحاق الندیم کہتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ نے " اصول وامالی " میں بھی کئی کتابیں لکھی ہیں، مثلاً

الف - کتاب الصلوٰۃ،

ب - کتاب الزکاۃ،

ج - کتاب الصیام،

د - کتاب الفرائض،

ہ - کتاب البیوع،

و - کتاب الحدود،

ز - کتاب الوکالۃ،

ح - کتاب الوصایا،

ط - کتاب الصید والذبائح،

ی - کتاب الغصب،

ک - کتاب الاستبراء،

۷ - امالی بشر بن الولید القاضی کی روایت ہے کہ ابو یوسفؒ نے کئی کتابیں املا کرائیں جن کی تعداد تقریباً ۳۰ ہے۔

۸ - کتاب اختلاف (علماء) الامصار عالم اسلام کے علماء وفقہاء، اور حفاظ حدیث کے بعض اختلافی افکار وعقائد پر اس کتاب میں اظہار خیال کیا گیا ہے، ——— !

۹ - **کتاب الرد علی مالک بن انس**، کتاب کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے، تحقیقی مواد کتاب میں بہت زیادہ ہے۔

۱۰ - **الخراج**، ایک چھوٹا سا رسالہ ہے، جو امام صاحب نے خلیفہ ہارون الرشید کے لئے تحریر فرمایا تھا، اس میں بھی احکام اموال درج ہیں،

۱۱ - **کتاب الجوامع**: یہ کتاب امام ابو یوسفؒ نے یحییٰ بن خالد (۱) کے لئے لکھی تھی یہ درحقیقت چالیس چھوٹی اور مختصر کتابوں کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ میں لوگوں کے فکری اور عقائدی اختلاف اور اس سلسلہ میں رائے ماخوذ کا ذکر ہے۔

۱۲ - **اصول فقہ**: طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد کا قول ہے کہ:

"ابو یوسفؒ یگانہ روزگار اور یکتا و بے ہمتا عالم تھے، وہ اصحاب ابی حنیفہؒ میں سے تھے، بہت بڑے فقیہ، بلکہ سب سے بڑے فقیہ، اپنے زمانہ میں سب سے ممتاز اور یگانہ، ان کے عہد میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں تھا، جو ان سے تقدم کا دعویٰ کر سکے،

علوم وفنون میں ابو یوسفؒ کو جو مہارت اور ریاست حاصل تھی، وہ انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اصول فقہ میں کتابیں لکھیں، اور امام ابو حنیفہؒ

---

(۱) یعنی یحییٰ بن خالد برمکی ———— اس خاندان کو عہد خلافت ہارون رشید میں جو عروج حاصل ہوا وہ تاریخ کا ایک ناقابل فراموش صفحہ ہے، یہ خاندان علمی سرپرستیوں کے اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ تھا، (رئیس احمد جعفری)

کے مسلک کو اس اصول پر مدوّن کیا، انہوں نے بہت سے مسائل املا کرائے اور ساری دنیا میں ابوحنیفہؒ کا علم پھیلا دیا، مذہب ابی حنیفہؒ کی تدوین، تکمیل اور نشر میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔"

۱۳۔ مسائل:

امام ابو یوسفؒ نے مسائل، اور اصول فقہ کے سلسلہ میں جو تصنیفی سرمایہ چھوڑا ہے، اس کے بارے میں خطیب تو ہیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ مذہب ابوحنیفہؒ کے لئے اصول فقہ کی تدوین میں ابو یوسفؒ کو اولیت حاصل ہے، اور ان کی یہ اولیت شافعیت کے اصولوں کی تدوین کے سلسلہ میں شافعی کی اولیت کے منافی نہیں ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ شافعیؒ کے یہ علمی کارنامے مناقشہ سے محفوظ نہیں ہیں، کیونکہ ایک گروہ اہل نظر و فکر کا یہ خیال ہے کہ یہ تصنیفی اور علمی سرمایہ، مذہب حنفی کے مطابق کتب اصول فقہ کی تدوین و تکمیل کے بعد کا واقعہ ہے۔

یہ قول اگرچہ قابل تسلیم نہ ہو، تو بھی اس سے اس ذہنی غلیان کا اندازہ ہوتا ہے، جو اس سلسلہ میں بعض اصحاب کے دل میں موجود تھا۔

۱۴۔ کتب کثیرہ

ذہبی ابو یعلی الموصلی کے حالات و سوانح کے ضمن میں رقمطراز ہیں کہ ایک مرتبہ "ابو علی الحافظ نے فرمایا کہ اگر ابو یعلی ابو یوسفؒ کی کتابوں میں مشغول نہ ہو جاتے جو انہوں نے بشر بن الولید کو املا کرائی تھیں، تو بصرہ میں سلیمان بن حرب اور ابو الولید الطیالسی سے محروم نہ رہ جاتے۔"

اس قول سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابو یوسفؒ کی کتابوں کی کثرت اور تنوع کا کیا عالم تھا، اور اگر تصانیف ابو یوسفؒ کی کثرت مفرطہ حائل نہ ہوتی تو مذکورہ دونوں شیوخ (سلیمان بن حرب، اور ابو الولید الطیالسی) سے بھی وہ استفادہ کر کے علو سند کے حامل ہو سکتے تھے، لیکن امام موصوف

کی تصانیف کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ ان میں وہ ایسے کھوئے گئے کہ پھر دوسری طرف توجہ ہی نہ کر سکے۔

۱۵ ۔ امالی امام ابو یوسفؒ :

کشف الظنون میں ہے کہ :۔

امام ابو یوسفؒ کے امالی تین سو مجلدات پر محتوی ہیں اور ہر جزء خواہ کتنا ہی مختصر تصور کیا جائے پھر بھی اس کتاب کی ضخامت حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

۱۶ ۔ تصانیف مبسوطہ :

قرہتی ———— جن کا ذکر اس سے پہلے کہیں گذر چکا ہے امام ابو یوسفؒ کی کثرت تصانیف کے سلسلہ میں کہتے ہیں :۔

"مناقب ابی یوسفؒ میں ایک بات یہ بھی ہے کہ انہوں نے بہت سی ... مفصل اور مبسوط اور طویل کتابیں لکھیں، جن میں املاء، امالی، ادب القاضی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں،

بشر بن الولید کو بھی انہوں نے املا کرایا، اور مناسک وغیرہ پر مسائل تحریر کرائے۔"

شیخ یحییٰ الخزنی، مسجد حرام میں منصب وعظ پر فائز تھے، وہ حجر اسود کے مواجہ میں کعبہ مشرفہ کے میزاب کے سامنے وعظ کہا کرتے تھے، ایک مرتبہ وہ شہر زبید میں تشریف لائے، یہ واقعہ ۹۰۰ھ کا ہے، ان کا قول ہے کہ میں نے بچشم خود تین سو مجلدات میں امالی ابی یوسفؒ شہر غزہ کے ایک مدرسہ میں دیکھے ہیں ———— غزہ ارض شام میں واقع ہے ———— اور جس کتب خانے میں یہ بے نظیر علمی سرمایہ

دیکھنے میں آیا، وہ صرف امام صاحب کی کتابوں کے لئے مخصوص تھا،!۵
کتب خانے سے مراد، شاید راوی نے الماریاں لی ہیں، کیونکہ اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ خاص خاص اصحاب کے کتب و مؤلفات کے لئے الماریاں مخصوص کر دیتے تھے، انہی میں ان کی کتابیں رکھی جاتی تھیں، جیسا کہ دمشق کے کتب خانہ ظاہریہ میں ابن عساکر وغیرہ کی کتابیں اب تک اسی ہنج سے موجود ہیں،

امام صاحب کی اس ضخیم کتاب کے بارے میں اب کچھ نہیں معلوم، غالباً یہ نایاب کتاب بھی دوسری گراں مایہ کتابوں کی طرح ستندھ کی اس طوائف الملوکی اور خانہ جنگی میں ضائع ہوگئی، جو مصر میں چرکس حکومت کے زمانہ میں بہت سی گراں بہا اور نادر کتابیں ضائع ہوگئیں، مثلاً،

- کتاب الفنون ——— یہ ابوالوفا عقیل الحنبلی کی کتاب تھی، اور اپنے موضوع پر بے مثل،
- کتاب حدائق ذات بہجہ ——— اس کتاب کا موضوع تفسیر تھا، ابو یوسف عبدالسلام القزوینی اس کے مصنف تھے،
- تفسیر ابی الحسن الاشعری
- تفسیر الجبائی
- تفسیر القاضی عبدالجبار ——— وغیرہ وغیرہ،

نادر کتابوں کا ضیاع

یہ وہ کتابیں تھیں، جو اپنے موضوع، متن، مواد، معلومات، نکات، اور حقائق و معارف کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ تھیں، عالم اسلام

میں ان کا کوئی جواب نہ تھا، ان سے ہر اہل علم استفادہ کرتا تھا، ان کے پایۂ استناد کا یہ عالم تھا کہ مدرسہ و خانقاہ میں ان کی یکساں عظمت تھیں، علم کی ہر محفل میں، اور ذکر کی ہر مجلس میں ان کتابوں کا چرچا تھا،

لیکن باہمی خانہ جنگیوں، بدامنیوں اور طوائف الملوکیوں نے، جہاں اور بہت سے نقصانات ملتِ اسلامیہ کو پہنچائے، وہاں ایک عظیم اور ناقابل تلافی نقصان یہ بھی پہنچایا کہ یہ اور اس طرح کی دوسری بہت سی کتابیں اس طرح ضائع ہوگئیں کہ آج ان کا کہیں پتہ اور نشان نہیں ملتا، آج دنیا کے سارے کتابی خزانے کھنگال ڈالئے، مگر کیا مجال ہے جو ان کتابوں کا کہیں سراغ مل جائے،

یورش تاتار کے نتائج

مغول مشرق اور آل چنگیز نے اسلام قبول کرنے سے پہلے اسلامی ممالک پر تاخت و تاراج کا جو نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کیا تھا، اس میں صرف یہی نہیں ہوا کہ سر کٹے ہوں، دھڑ گرے ہوں، عمارتیں مسمار ہوئی ہوں، شہر ویران ہوئے ہوں، کھیت جلے ہوں، دولت و ثروت پر ڈاکہ پڑا ہو، مرد اور عورت گرفتار ہوئے ہوں، اور غلام بنا لئے گئے ہوں، بلکہ یہ بھی ہوا کہ مسلمانوں کے علمی خزانے، اور ان کے لازوال تصنیفی دفینے برباد ہوگئے،

ہر نقصان کی تلافی قدرت نے کردی، ہر نقصان کی تلافی کسی نہ کسی درجہ میں، اور کسی نہ کسی طرح ہو سکتی ہے، لیکن کیا اس ضیاعِ کبریٰ کی تلافی بھی ہو سکتی ہے، جو مسلمانوں کے تصنیفی اور علمی سرمائے کی اضاعت کی صورت میں رونما ہوا، ؟

کلّا ثمّ کلّا

مسائل متنازعہ فیہ پر امام ابو یوسفؒ کی رائے

ابن ابی العوام محمد بن احمد، ابن حماد، سے، اور وہ محمد بن شجاع سے، اور وہ حسن ابن ابی مالک سے روایت کرتے ہیں، :

قرآن خدا کا کلام ہے،

"میں نے ابو یوسفؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ قرآن خدا کا کلام ہے، جو شخص اس بارے میں سوال کرتا ہے۔

کیسے ؟

کیوں ؟

کیونکر ؟

اور پھر ان مسائل پر بحث و مجادلہ کرتا ہے، وہ اس قابل ہے کہ اسے قید کر دیا جائے، اور اسے کوڑوں کی بڑی کڑی مار دی جائے، !"

سنو جو میں کہہ رہا ہوں

امام ابو یوسفؒ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا، :

"لوگو، جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے سن لو، اور محفوظ کر لو، اگر میرے اندر یہ قوت ہوتی کہ اپنا علم تم میں تقسیم کر سکتا، اور جو کچھ میرے دل میں ہے وہ تمہیں سونپ سکتا تو بلاشبہ میں ایسا کر چکا ہوتا، !"

علم کلام سے ابو یوسفؒ کی بیزاری

علم کلام کو امام ابو یوسفؒ جس قدر ناپسند کرتے تھے، وہ فرمایا کرتے تھے:

"وہ شخص فلاح نہیں پا سکتا، جو کلام سے دلچسپی رکھتا اور اسے جائز اور درست قرار دیتا ہے"۔!

علم کلام کے خلاف پند و نصیحت

امام صاحب کے بارے میں ابن ابی مالک کہتے ہیں:

"وہ اکثر ہمیں نصیحت کیا کرتے تھے، مجھے نہیں یاد کہ میں نے کبھی بھی انہیں علم کلام کے خلاف لب کشائی فرماتے نہ پایا ہو، یا ایسا ہوا ہو کہ انہوں نے ہمیں علم کلام سے دلچسپی لینے کی رخصت اور اجازت دے دی ہو، واقعہ یہ ہے کہ وہ اس کے خلاف ہمیں پند و نصیحت کیا کرتے تھے، اور بڑی سختی اور درشتی کے ساتھ اس سے دلچسپی لینے سے ہمیں باز رکھا کرتے تھے"۔!

کلامی بحثیں کرنے والا مستحق سزا ہے

ابن شجاع کہتے ہیں!

"میں نے حسن بن ابی مالک سے پوچھا،

"کیا واقعی آپ سے یہ روایت ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی یہ رائے تھی کہ جو شخص قرآن کو کلام الٰہی کہنے کے بعد، کچھ اور کہتا ہے وہ مستحق عقوبت ہے اور اس قابل ہے کہ اسے سزا دی جائے"؟

انہوں نے جواب دیا،

"ہاں، ——— تم بھی مجھ سے یہ روایت لے لو، میں نے ابو یوسفؒ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ جو اس طرح کی کلامی بحثیں کرے، اسے جیل میں بند کر دو اور سزا دو"،

یہ سنکر میں نے سوال کیا،

"کیوں اے ابوعلی، کیا آپ بھی ابو یوسفؒ کی رائے سے اتفاق رکھتے ہیں؟"

انہوں نے جواب دیا،

"اگر میں ابو یوسفؒ کے جملہ اقوال کا مخالف ہوتا، تو بھی اس قول کی صدق دل سے تائید کرتا، میں نے ابو یوسفؒ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اس طرح کی بحثیں کرتا ہے وہ برا آدمی ہے، اور ایسے سوالات اسے خیر سے آشنا نہیں کرسکتے"!

ابو یوسفؒ اور خلق قرآن

محمد بن شجاع کا قول ہے کہ میں نے حسن بن ابی مالک، اور بشر بن الولید کو کہتے ہوئے سنا ہے:

"ایک مرتبہ ہمارے پاس ایک آدمی آیا، اس نے کہا،

"ابو یوسفؒ تو خلق قرآن کے قائل ہیں"!

پھر جب ابو یوسفؒ ہمارے پاس آئے تو ہم نے ان سے کہا،

"ہم آپ کے مخصوص نیاز مندوں اور دوستوں میں سے ہیں، آپ کے بارے میں ہمیں ایک ایسی خبر ملی ہے، جو حد درجہ حیرت انگیز ہے، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ ایک کام سے ہمیں تو آپ منع کریں، اور خود اسے کریں،

ابو یوسفؒ نے پوچھا،

"بات کیا ہے یہ بھی تو بتاؤ۔"

ہم نے اس آدمی کی حکایت ابو یوسفؒ سے بیان کردی، یہ سنکر انہوں نے کہا،

اے دیوانو،!

جو لوگ خدائے عزوجل پر جھوٹ بول سکتے ہیں اور اس کے بارے میں نا سزا باتیں کہہ سکتے ہیں، وہ میرے اوپر کیوں جھوٹ نہیں لگا سکتے؟ اور میرے بارے میں ناسزا باتیں کیوں نہیں کہہ سکتے ———— ؟!"

اس کے بعد ابو یوسفؒ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا،

"یہ لوگ اہلِ بدعت ہیں اور اسی طرح کے افسانے تراشتے اور جھوٹ بولتے رہتے ہیں۔ نیز دوسرے لوگوں پر تہمت لگاتے، اور الزام تراشی کرتے رہتے ہیں"! ۔

جہمیہ سے اختلاف شدید

طحاوی کہتے ہیں کہ مجھ سے یحییٰ بن عثمان نے، اور انہوں نے ابی ابراہیم (ابن محمد) سے روایت کی کہ:

"ابو یوسفؒ نے ایک شخص کو اس جرم میں ۵۰ سو کوڑے مارے کہ وہ جہمیہ کا ہم رائے ہو گیا تھا، "یہ شخص ان کے قرابت داروں میں تھا"! ۔"

ابو یوسفؒ کا تقویٰ

طحاوی روایت کرتے ہیں کہ میں نے علی ابن عبدالرحمان بن المغیرہ سے اور انہوں نے سعید بن وسیم سے سنا کہ ابراہیم بن الجراح ایک موقع پر کہہ رہے تھے :

"ایک مرتبہ ہم ابو یوسفؒ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، بشر بن الولید بھی موجود تھے، اس مجلس میں ابو یوسفؒ کے صاحبزادے، یوسف بھی تشریف رکھتے تھے، کہ ایک مسئلہ پر بحث و گفتگو شروع ہو گئی،

ابو یوسفؒ نے اپنے صاحبزادے یوسف سے کہا،

"یہ تم کیا پہنے بیٹھے ہو ـــــــــــــــــــــــ ؟"

وہ ایک قیمتی جبہ زیب بر کئے بیٹھے تھے"! ۔

گویا ان کا تقویٰ اس کا بھی متحمل نہیں تھا کہ وہ اپنی اولاد امجاد کو قیمتی اور بھڑکیلے دار لباس میں دیکھیں!

علم کلام جہالت پر مبنی ہے

ابوبکر الخصاف احمد بن عمرو ابن مہیر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ :

"میں نے حسن کو کہتے ہوئے سنا وہ کہہ رہے تھے، ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا، علم کلام سے بڑھ کر جہالت پر مبنی کوئی اور علم نہیں ہے"! ۔

زندیق اور دروغ گو

طحاوی ابن ابی عمران سے، وہ بشر بن الولید سے روایت کرتے ہیں کہ:
"ایک مرتبہ امام ابویوسفؒ نے ارشاد فرمایا، جو شخص:

حدیث غریب کی جستجو میں رہتا ہے وہ جھوٹا ہے، دروغ گو ہے،

کیمیا کے ذریعہ سے جو شخص مال و دولت کمانے کی آرزو رکھتا ہے، وہ ہمیشہ تنگ دست اور مفلس وقلاش رہے گا،

جو کلام کے ذریعہ "علم" حاصل کرنا چاہتا ہے وہ زندیق کے سوا، کچھ نہیں!"

خدا کے بارے میں ایک سوال

ابراہیم بن الجنید، علی بن الجعد سے روایت کرتے ہیں کہ:
"ایک مرتبہ امام ابویوسفؒ سے کسی شخص نے سوال کیا،

"کیا آپ اس شخص کی گواہی قبول کریں گے جو کہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کو اس بات کا علم نہیں کیا ہوگا، ؟ البتہ جب وہ ہو جاتا ہے، تو وہ جان لیتا ہے"

یہ سنکر امام صاحب نے فرمایا،

"ایسا شخص اگر میرے سامنے آجائے تو میں اسے توبہ کرنے کا موقع دوں گا ورنہ قتل کر دوں گا، !"

معاملاتِ دین میں جنگ وپیکار نہ کرو

اسد بن الفراتؒ امام ابویوسفؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ انہوں نے ارشاد فرمایا:

"معاملات دین میں خصومت، جنگ وجدل، پیکار و آویزش کا سلسلہ ترک کر دو، کیونکہ دین واضح ہے، اللہ عزوجل نے فرائض فرض کر دیئے ہیں، سنن مشروع کر دیئے ہیں، حدود کی حد بندی کر دی ہے، جو حلال تھا اسے حلال کر دیا ہے جو حرام تھا اسے حرام کر دیا ہے، اس نے خود فرمایا ہے، "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ

وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔

یعنی آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی، اور تمہارے لئے مذہب اسلام پر راضی ہو گیا، پس جو کچھ قرآن نے حلال کر دیا ہے، اسے حلال رکھو، جو کچھ قرآن نے حرام کر دیا ہے اسے حرام سمجھو، جو اس نے حکم دیا ہے اس کی تعمیل کرو، متشابہات پر ایمان رکھو، اور مثال کا اعتبار طور رکھو، اگر معاملات دین میں خصومت اللہ کے نزدیک مبنی بر تقویٰ ہوتی، تو بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے، اور آپ کے بعد آپ کے اصحاب کا بھی یہی رویہ ہوتا،۔

لیکن کیا انہوں نے ایسا کیا؟ کیا انہوں نے معاملات دین میں خصومت روا رکھی، ؟ کیا دینی معاملات میں انہوں نے تنازع کیا، بے شک انہوں نے فقہی معاملات و مسائل میں اختلاف کیا، اور اس باب میں بحث و جدل کی، انہوں نے فرائض، نماز، حج، طلاق حلال اور حرام کے مسائل میں بھی اختلاف فکر و نظر کا اظہار کیا، لیکن نفس دین کا جہاں تک تعلق ہے، وہ بالکل متفق رہے، انہوں نے ذرا بھی خصومت یا پیکار و آویزش کا اظہار نہیں کیا، پس تم بھی اللہ سے ڈرو، اس کی اطاعت کرو، اور اسے اپنے اوپر لازم کر لو، بس یہی تابعداری سنت سے ہوتی ہے، بس اتنی شفقت ہمارے لئے کافی ہے، یاد رکھو، سنت کا لازم، اللہ کے حکم سے دشمن کو محفوظ رکھ سکتا ہے، اس شرط صرف یہ ہے کہ وہ اسے اپنے اوپر لازم کرے، پھر وہ ہر خطا اور لغزش سے محفوظ ہو جائے گا،۔

ابو یوسفؒ کا جوشِ دینی

ابراہیم بن الجنید علی بن الجعد سے روایت کرتے ہیں کہ: ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، اور اس نے عرض کیا،

"اے ابا یوسف"

لوگ کہتے ہیں کہ آپ اس شخص کی گواہی جائز سمجھتے ہیں جو اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تاویل کناں، سب و شتم کرتا ہو،

کیا یہ واقعہ ہے؟

اس سوال کے جواب میں امام صاحب نے فرمایا،

"کمبخت یہ کرتا ہے، میں تو ایسے شخص کو جیل میں ٹھونس دوں، اسے سزا دوں اور جب تک وہ توبہ نہ کرے، اسے سزا دیتا رہوں"! "

مذکورہ روایتیں وہ ہیں جو ابن ابی العوام نے رشید کے ساتھ اپنی کتابوں میں درج کی ہیں،

ایک زندیق ابو یوسفؒ کے سامنے

عثمان بن حکم کی روایت ہے کہ:

"ایک مرتبہ ایک زندیق خلیفہ ہارون رشید کی خدمت میں پیش کیا گیا،

ہارون رشید نے امام صاحب کو طلب فرمایا، جب وہ تشریف لے آئے تو کہا،

"آپ اس سے بحث اور مناظرہ کیجئے "!"

ابو یوسف نے کہا،

"یا امیر المومنین

بحث و مناظرہ کا کیا سوال؟ جلاد کو طلب کیجئے، اور نطع (۱) بچھوا دیئے، پھر اس شخص پر اسلام پیش کیجئے، اگر قبول کرلے تو خیر، ورنہ گردن اڑا دیجئے، یہ اس قابل نہیں ہے کہ اس سے مناظرہ کیا جائے، یہ تو اسلام قبول کرکے اس سے منحرف ہو چکا ہے"!"

یہ واقعہ خطیب بغدادی کی تاریخ میں اور مناقب موفق میں مذکور ہے۔

بدعتی ہونے کا فتویٰ

ذہبی نے اپنی کتاب میں علی بن الجعد سے روایت کی ہے کہ:

"ایک واقعہ پر امام ابو یوسف نے فرمایا،"

جو شخص یہ کہتا ہے کہ میرا ایمان جبریل کے ایمان کی طرح ہے وہ بدعتی ہے" !۱؎

مقاتلہ اور جہمیہ شر انگیز گروہ ہیں

وکیع القاضی محمد بن الشکاب سے، اور وہ اپنے والد سے، اور وہ ہیثم بن خارجہ سے روایت کرتے ہیں کہ :

"خراساں میں دو گروہ ایسے ہیں جن سے بڑھ کر خدا کی اس سر زمین پر کوئی شر انگیز اور مفسد گروہ نہیں،

(۱) مقاتلیہ ——— یعنی مجسمیہ

(۲) جہمیہ ——— یعنی جبریہ"

امام ابو یوسف رح کے افکار و اقوال

امام صاحب کے ان افکار و اقوال کی روشنی میں اگر واقعات و حقائق کا صحیح طور پر جائزہ لیا جائے، تو ماننا پڑے گا کہ وہ سنت رسول کو بنیادی چیز قرار دیتے تھے، اس کے اعتصام کی دعوت دیتے رہتے تھے، اور اہل بدعت کے معاملہ میں ان کا رویہ بہت زیادہ سخت اور درشت تھا، لیکن ان حقائق اور واقعات کے با وجود اگر کچھ لوگ نے ان پر تجہیم اور ارجاء کی تہمت لگائی ہے تو صرف اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں، ورنہ امام صاحب کی ذات گرامی، ہر طرح کی بدعت سے قطعاً بری اور پاک تھی۔

ابو یوسف رح پر نکتہ چینیاں

اور امام صاحب کی ذات گرامی پر یہ الزام تراشی کوئی نئی بات نہیں !

ہمیشہ سے یہ ہوتا ہے کہ اکابر و عالم رجال کی ذات کو مخصوص حلقے اور مخصوص گروہ ناپسند کرتے رہے ہیں، جب ان کی مرجعیت اور مقبولیت عامہ میں وہ سد راہ نہ ہو سکے، تو انہوں نے آخری حربہ اختیار کیا یعنی ایسے اوچھے ہتھیار جنہیں کوئی صاحب عقل و فہم نہیں اختیار کر سکتا ——!

جو لوگ علم کے ساتھ عملی میدان میں بھی پیش پیش ہوں، اور جن کی ذات علم کے علاوہ، عمل صالح کا مرکز بھی ہو، ان پر بدعت کا الزام لگا، یا ایسے تہمتیں ان کی طرف منسوب کرنا جن کا واقعات کی دنیا میں کوئی وجود نہ ہو، خود اپنے غلط کار اور غلط گو ہونے کا ثبوت فراہم کرنا ہے" !

ابو یوسفؒ، مالکؒ کی بارگاہ میں

تاریخ فقہ کا ایک اہم باب

عالم دارالہجرۃ، امام مالک کی بارگاہ میں امام ابو یوسف حاضر ہوئے، یہ وہ سال ہے جب خلیفہ ہارون رشید حج کے لئے گیا تھا، اور امام صاحب اس کے ساتھ تھے وکیع القاضی (۱) اور ابن ابی العوام نے اپنی کتاب میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، نیز ابن عساکر نے بھی یہ واقعہ اپنی کتاب میں درج کیا ہے (۲)، دوسری کتب تاریخ میں یہ واقعہ ملتا ہے۔

مالک کا مناظرہ سے انکار

مشہور یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے جب رشید کے ساتھ فریضہ حج ادا کیا، تو اس سے استدعا کی کہ مالک کو اور انہیں مناظرہ کا موقع دیا جائے، مناظرہ ہو، "شاہد واحد" کی شہادت اور "یمین مدعی" پر، جو اہل مدینہ کا مذہب ہے۔

---

(۱) ۔ اخبار القضاۃ،

(۲) ۔ کشف المغطیٰ،

لیکن مالکؒ نے مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا، البتہ ان کی نیابت کے فرائض مغیرہ مخزومی، یا عثمان بن کنانہ نے ادا کئے، یہ دونوں اصحاب مالک میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے،

ابو یوسفؒ کا طرزِ استدلال

اس موقع پر امام ابو یوسفؒ نے قرآن کریم کی آیات شہادت کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا،

"کیا آپ کو نہیں معلوم کہ اللہ تعالےٰ نے دو یا چار شاہدوں کا ذکر فرمایا ہے، رہا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس امر کا انتساب کہ آپ نے ایک گواہ کی گواہی پر فیصلہ صادر فرما دیا، تو یہ غلط ہے، کیونکہ یہ حدیث سہیلؒ نے ابو صالح سے روایت کی ہے، لیکن سہیل کی عادت بھول جانے کی تھی، چنانچہ انہوں نے اسی بھول میں ابو صالح کے بجائے ربیعہ سے روایت شروع کر دی، جب سہیل کے حافظہ کا یہ عالم ہے، تو ان کی روایت کردہ حدیث کس طرح قبول کی جا سکتی ہے؟"

امام صاحب کے اس ارشاد کے جواب میں مغیرہ نے کہا،

"اس حدیث کی رو سے یہ واقعہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، اور حضرت علی نے ایک گواہ کی گواہی پر فیصلہ کیا ہے،؟"

ابو یوسفؒ نے جواب دیا،

"میں تمہارے سامنے آیات قرآنی کی تلاوت کر رہا ہوں، اور تم میرے سامنے لوگوں کے افعال بطور ثبوت پیش کر رہے ہو یہ کیا بات ہوئی؟ ۔ اب تم مجھے بتاؤ گے کہ نبیؐ وعلی کے فیصلے کیا تھے،؟"[1]

یہ سنکر مغیرہ نے کہا،

---

(۱) ۔ یہ بات امام صاحب نے اس لئے کی کہ قضایا علی و قضایا شریح پر ان کی بڑی گہری اور وسیع نظر تھی، جیسا کہ پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے۔

"کیا تم نبیؐ کے منکر ہو یا ان پر ایمان رکھتے ہو؟ جبکہ اس حدیث کی رو سے انہوں نے ایک گواہ کی قسم پر فیصلہ فرما دیا تھا" ! "

یہ سنکر ابو یوسف خاموش ہو گئے۔

طے شدہ مسئلہ

اس طرح کے انداز گفتگو کا جواب خاموشی کے سوا، اور کیا ہو سکتا تھا، حالانکہ ہر فقہی مذہب کا یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ ایک گواہ کی گواہی پر فیصلہ نہیں صادر کیا جا سکتا ہے، چنانچہ کبار مالکیہ بھی اسی پہ عامل ہیں، اور اس معاملہ میں امام مالکؒ کے مسلک کی پیروی نہیں کرتے،

ابو یوسفؒ اور مالک بن انس رحمؒ

ابن ابی العوام نے اپنی کتاب میں طحاوی سے، انہوں نے ابن ابی عمران سے، انہوں نے علی بن صالح اور بشر بن الولید سے، اور انہوں نے ابو یوسف سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا،

"میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا، تو وہاں ایک ایسے شخص نے جسے میں ثقہ سمجھتا تھا مجھے ایک صاع دکھایا، اور کہا،

"یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع ہے" !

میں نے آنکا تو وہ پانچ اور ایک تہائی رطل کا نکلا" !

ابن ابی عمران کا قول ہے کہ :

"جس شخص نے امام ابو یوسفؒ کو یہ صاع دکھایا تھا، وہ مالک بن انس تھے" ! "

بیع اوقاف کا مسئلہ

طحاوی عیسےٰ بن ابان سے روایت کرتے ہیں کہ :

"ابو یوسف جب کوفہ سے بغداد آئے تو بیع اوقاف کے مسئلہ میں ابو حنیفہ کے مسلک پر عامل تھے، یہاں انہوں نے وہ حدیث سنی جو اسماعیل بن علیہ نے ابن عون سے اور انہوں نے نافع سے، اور انہوں نے ابن عمرؓ سے روایت کی تھی، اور اس واقعہ پر مبنی تھی کہ عمرؓ نے اپنا خیبر کا حصہ

وقف کر دیا تھا، ! "

یہ سنکر ابو یوسفؒ نے کہا،

" اس سے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں، ! "

اطلاق بیع اوقاف

طحاوی بکار بن قتیبہ سے روایت کرتے ہیں، :

" ایک مرتبہ حج سے فارغ ہو کر خلیفہ ہارون رشید کے ساتھ امام ابو یوسف بصرہ تشریف لائے، اطلاق بیع اوقاف کے سلسلہ میں وہ اب تک امام ابو حنیفہؒ کے مسلک پر عامل تھے، یہاں بصرہ میں اگر ارض نفیسہ ان کی نظر سے گذری، چنانچہ اس بارے میں انہوں نے سوال کیا، تو انہیں بتایا گیا کہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک صحابی نے اسے وقف کیا ہے اسی سے ان کے دل میں ایک کھٹک سی پیدا ہوئی، چنانچہ وہ سیدھے مدینے واپس تشریف لے گئے، اور وہاں جاکر انہوں نے بچشم خود اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقات دیکھے، وہاں سے بغداد واپس آئے اور ان کے قلب سے ہر وہ شبہ زائل ہو گیا جو بیع اوقاف کے سلسلہ میں تھا، ! "

موطا مالکؒ کا مطالعہ

امام ابو یوسفؒ نے اپنے شاگرد اسد بن الفرات کی وساطت سے موطا امام مالک کا مطالعہ کیا، یہ وہ نسخہ تھا، جو وہ اپنے ساتھ مدینہ سے لائے تھے، امام ابو یوسفؒ کے اس فعل کو امام محمد علم کے " سو گھنے " سے تعبیر کیا کرتے تھے کیونکہ ابو یوسفؒ امام مالکؒ کے پاس باقاعدہ ارادہ سفر کر کے کبھی نہیں گئے، اور امام محمد جیسا کہ معروف ہے، حصول موطا کے ارادے سے ان کے پاس سفر کر کے مدینے تشریف لے گئے تھے،

لیکن ابو یوسفؒ کو موطا کی اتنی حاجت نہیں تھی، جتنی محمدؒ کو تھی، کیونکہ ابو یوسفؒ کا دائرۂ معرفت حدیث و آثار، امام محمدؒ کے مقابلہ میں بہت وسیع تھا،

ابو یوسفؒ اور مالکؒ

وکیع القاضی، احمد بن اسماعیل سلمی سے اور وہ مطرف الاصم سے روایت کرتے ہیں کہ:

• ہارون رشید ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں حاضر ہوا، امام ابو یوسفؒ بھی اس کے ساتھ تھے، ہارون نے ایک قاصد بھیجکر امام مالکؒ کو اپنے حضور میں بلا بھیجا، مالکؒ نے جواب میں لکھ بھیجا:

"یا امیر المومنین، میں ایک مرد بیمار ہوں، امیر المومنین جو کچھ فرمانا چاہتے ہوں، وہ لکھ دیں" یہ خط پڑھ کر ہارون نے جواب لکھنے کا ارادہ کیا، اس موقع پر ابو یوسفؒ نے کہا،

"کسی آدمی کو بھیجئے کہ وہ جا کر انہیں یہاں لے آئے"!

ہارون نے ایسا ہی کیا،

چنانچہ امام مالکؒ دارمروان میں ہارون رشید کی خدمت میں حاضر ہوئے ہارون کی مجلس میں حاضرین کی نشستیں متعین رہتی تھیں، چنانچہ امام مالکؒ کے لئے بھی ایک نشست خاص کر دی گئی، اور وہ آکر اس پر بیٹھ گئے، اس موقع پر ابو یوسفؒ نے مالکؒ سے پوچھا،

"اس آدمی کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے، جو ہمیشہ کے لئے نفل نماز نہ پڑھنے کی قسم کھالے؟"

مالک نے جواب دیا،

"ایسا شخص قید کر دیا جائے گا، اسے سزا کے تازیانہ دی جائے گی یہاں تک کہ وہ نماز پڑھنا شروع کر دے"!

اتنے میں ہارون بھی مجلس میں آگیا، ابو یوسفؒ نے کہا، میں نے مالکؒ سے یہ پوچھا تھا اور انہوں نے ایسا ایسا جواب دیا، یہ سن کر ہارون نے مالکؒ سے کہا،

"کیوں ابو عبداللہ واقعی یہی بات ہے ؟"

مالکؒ نے کہا،

"جی ہاں یہی بات ہے، ! ——————— لیکن اس کی وجہ یہ ہے

کہ ابو یوسفؒ مرد عراق ہیں، اگر میں ترک نفل کا فتویٰ دے دیتا تو یہ ترک فریضہ کا فتویٰ

دینا شروع کر دیتے، کیا آپ کو بھی ان سے یہی اندیشہ نہیں ہے ؟"

پھر جب مالک واپس جانے لگے، تو ابو یوسف انہیں سہارا دیتے ہوئے ساتھ

ہو لئے، کیونکہ وہ بیمار تھے، مالک بار بار ان سے کہتے تھے،

"آپ واپس تشریف لے جائیے!"

"لیکن ابو یوسفؒ نے انہیں گھر تک پہنچا کر دم لیا، " !

ایک استفتاء

محمد بن اسماعیل اسلمی، اور محمد بن العباس الکابلی، عبدالعزیز بن عبداللہ،

الاویسی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام مالکؒ نے ارشاد

فرمایا:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایک شخص ابو یوسفؒ کے پاس آیا اس نے کہا،

میں نے قسم کھائی ہے کہ اگر میں ایک "جاریہ" (باندی) خریدوں تو میری

بیوی کو طلاق! ——————— مگر اب میں سوچتا ہوں کہ ایسا کرنا میرے

لئے آسان نہیں ہے، کیونکہ میں اپنی بیوی سے بہت محبت اور الفت کرتا ہوں،

اور میری نظر میں اس کی بڑی عزت اور وقعت ہے۔ !

یہ سنکر ابو یوسفؒ نے کہا،

"تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ایک کشتی خرید لو وہ بھی تو "جاریہ" ہے"۔

!"

ناقابل قبول روایت

لیکن یعلی کی یہ روایت، اور اسی طرح کی دوسری روایتیں قابل قبول نہیں ہیں،

ابن عدی کا قول ہے کہ:

"یہی مالک وغیرہ سے بواطیل کی روایت کرتا ہے"! "

.... معرف اسے مضطرب الحدیث قرار دیتے ہیں، ابن ابی حاتم نے بھی اس میں کلام کیا ہے کالی بھی اس پر جرح وقدح کرتے ہیں،

اسی طرح ابو داؤد بھی اس کی تضعیف کرتے ہیں،

بہرحال یہ روایت، بلاغات میں سے ہے،

ابو یوسف کی حاضر جوابی

امام ابو یوسفؒ کی ذہانت، حاضر جوابی، اور نکتہ سنجی سے متعلق اور بھی بہت سی روایتیں ہیں، لیکن ہم صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں، جو کچھ تحریر کر چکے ہیں، !

امام ابو یوسفؒ جامع العلوم تھے،

اور جو جامع العلوم نہ ہو، نہ وہ فقیہہ کامل بن سکتا ہے، نہ مرتبۂ امامت پر فائز ہو سکتا ہے،

امام ابو یوسفؒ قرآن، تفسیر، حدیث، آثار و اخبار، اور روایات کے ماہر تھے ---- !

اور جو ان علوم میں مرتبۂ کمال کو نہ پہنچا تو نہ وہ اجتہاد کر سکتا ہے، نہ فقیہہ کہلائے جانے کا مستحق ہے، نہ مسندِ افتا پر متمکن ہو سکتا ہے۔ !

محمد بن اسحاق اور ابو یوسفؒ

○

حصول مغازی وسیر کی تفصیل

اہل علم کے حلقوں میں یہ حقیقت اچھی طرح معروف معلوم ہے کہ امام ابو یوسف مغازی وسیر پر بھی بہت گہری نظر رکھتے تھے، گزشتہ صفحات میں ہلال بن یحییٰ البصری کی روایت اس سلسلہ میں، امام صاحب کی قوت حفظ وادراک کے سلسلہ میں ہم درج کر چکے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب جمیع علوم میں دستگاہ کامل رکھتے تھے، کوئی علم بھی ایسا نہیں تھا، جس میں ان کے معلومات ناقص ہوں،

حصول مغازی کا شوق بے پایاں

محمد بن اسحاق نے جب کوفہ میں قدم رنجہ فرمایا، تو ابو یوسفؒ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ان کے دامن سے مغازی وسیر کا فن حاصل کرنے کے لئے وابستہ ہوگئے، حد یہ ہے کہ اسی وجہ سے ایک عرصہ تک وہ امام ابو حنیفہؒ کی مجلس تک سے غیر حاضر رہے،

اس سلسلہ میں امام ابو یوسفؒ کے شغف اور انہماک کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے واقدی سے بھی استعانت کی، شام کے وقت واقدی کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ کے مشاہد اثریہ کی معرفت حاصل کرتے، اور پھر وہ دوسرے دن صبح کو ہارون رشید کی رہنمائی کرتے ہوتے اسے ان چیزوں سے روشناس کراتے،

یہ اس وقت کا واقعہ ہے، جب ہارون حج کو گیا تھا، اور امام صاحب اس کے رفیق طریق تھے،

واقدی سے استفادہ

امام ابو یوسف محمد بن اسحاق اور واقدی سے جو کچھ حاصل کر سکتے تھے، سے حاصل کیا، اگرچہ ان دونوں کے بارے میں کلام کیا جاتا ہے، اور امام مالکؒ کا جہاں تک تعلق ہے، وہ تو محمد بن اسحاق سے اتنے برہم تھے کہ اس کے بارے میں نہایت سخت اور درشت الفاظ استعمال کیا کرتے تھے۔ (۱)

امام ابو حنیفہؒ بھی محمد بن اسحاق کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے تھے،

ابن رجب کا محمد بن اسحاق کے بارے میں قول ہے، :

"محمد بن اسحاق کی طرف ایک سے زیادہ بدعات منسوب ہیں، اہل علم اس بات پر قریب قریب متفق ہیں کہ ان سے مغازی کے روایات قبول کئے جا سکتے ہیں لیکن چند شرائط کے ساتھ کثرت تدلیس کے باعث ان سے عنعنہ نامقبول ہے، !" (۲)

واقدی پر اعتراض

اسی طرح واقدی کا جہاں تک تعلق ہے، ان کے بارے میں بھی کلام کیا جاتا ہے، اور جو رائے ان کے بارے میں اہل علم ظاہر کرتے ہیں، وہ تحسین و ستائش پر مبنی نہیں ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مالکؒ اور ابن اسحاق کے مابین، چپقلش و بزنش کا سبب یہ ہے کہ آخر الذکر، اول الذکر کے نسب پر طعن کیا کرتے تھے جیسا کہ سعد بن ابراہیم کے بارے میں بھی مشہور ہے، لیکن میرے نزدیک یہ باتیں کچھ زیادہ در خور اعتنا نہیں ہیں، کیونکہ آئمہ دین کا زبان و بیان کے اعتبار سے پاکیزہ تر ہونا لازمی ہے، نہ یہ کہ وہ اتنے پست درجے پر اتر آئیں، بول تھوڑی بہت ترش کلامی کا

---

(۱) ۔ بعض لوگ ان کے بارے میں کلام کرتے تھے، اور یہ بعض لوگوں کے بارے میں کلام کرتے تھے۔
ملاحظہ ہو تاریخ الخطیب ج ۱، ص ۲۲۲، نیز بیان العلم، ج ۲، ص ۱۶۰

(۲) ۔ ملاحظہ ہو ابن رجب کی کتاب "شرح علل الترمذی"

جہاں تک تعلق ہے، وہ تو خیر تقاضائے بشریت کے ذیل میں آتی ہے، اس پر نہ اعتراض کیا جا سکتا ہے، نہ اسے قابلِ قدح و جرح قرار دیا جا سکتا ہے۔

ابویوسف اور ابن اسحاق کے روابط

موفق المکی نے بطریق محمد بن موسیٰ الحاسب روایت کی ہے :

« ہمیں اسحاق بن ابی اسرائیل نے بتایا کہ ابویوسفؒ نے ایک مرتبہ اپنے اور محمد بن اسحاق کے روابط کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ میں امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حصولِ علم کے لئے باقاعدگی اور تسلسل کے ساتھ حاضر ہوا کرتا تھا، لیکن اس کے باوجود جن مشائخ سے میں حدیثِ نبوی کی سماعت کرتا تھا، ان کی خدمت میں بھی پابندی کے ساتھ حاضر ہوا کرتا تھا۔

کچھ عرصہ کے بعد، محمد بن اسحاق صاحب مغازی کوفہ تشریف لائے، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے ان سے استدعا کی کہ اپنی کتاب المغازی کی ہمارے سامنے قرأت کریں، انہوں نے یہ استدعا قبول کر لی، چنانچہ اس نئی مشغولیت کے باعث میں نے امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا سلسلہ عارضی طور پر بند کر دیا، اور کئی مہینے تک اسی پابندی کے ساتھ میں اسحاق کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا، یہاں تک کہ پوری کتاب میں نے ان سے سن لی۔

ابوحنیفہ کی شکایت

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد، میں پھر امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا،

امام صاحب نے مجھے دیکھتے ہی شکایت کی،

"کیوں یعقوب ہمارے ساتھ یہ زیادتی کہ آنا ہی چھوڑ دیا ؟ "

میں نے عرض کیا،

« ایسا تو نہیں ہے، لیکن محمد بن اسحاق مدینی کوفہ آئے ہوئے تھے، میں نے اس موقع

سے فائدہ اٹھالینا چاہا، چنانچہ اسی سلسلہ میں کتاب المغازی کی ان سے سماعت کرتا رہا۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا،

"اے یعقوب! اب جب تم ابن اسحاق کے پاس جاؤ تو ان سے سوال کرنا کہ طالوت کے مقدمۃ الجیش میں کون تھا؟ اور وہ کون تھا جس کے ہاتھ میں جالوت کا پرچم تھا،

میں نے امام صاحب سے عرض کیا،

"یہ باتیں چھوڑیئے خدا کی قسم اس شخص سے زیادہ اقبح کوئی اور شخص نہیں، جو ایک طرف تو خود اہل علم ہونے کا مدعی ہو، اور دوسری طرف یہ سوال کرے کہ غزوۂ بدر پہلے ہوا تھا، یا غزوۂ احد؟!"

تبصرہ

اوپر جو گفتگو ابویوسفؒ اور ابوحنیفہؒ کی مذکور ہوئی، اس میں کوئی بات بھی اپنی جگہ پر قابل اعتراض یا تکلیف دہ نہیں ہے۔

امام ابویوسفؒ کو اس بات پر مورد ملامت نہیں قرار دیا جاسکتا کہ انہوں نے، ابن اسحاق سے مغازی کا علم کیوں حاصل کیا؟ انہوں نے ایک آدمی کو پرکھا، اس کے علم کو جانچا، وہ انہیں پسند آگیا، اب یہ ان کی مرضی تھی کہ اس سے علم حاصل کریں یا نہ کریں ——————!

اسی طرح ابوحنیفہؒ بھی مورد ملامت نہیں قرار دیئے جاسکتے، کیونکہ انہیں: ——————

---

* اگر محمد بن اسحاق کے مغازی پر اعتماد نہ تھا، یا وہ محمد بن اسحاق کو ثقہ، صدوق، اور عدول نہیں سمجھتے تھے، تو یہ ان کی رائے تھی، جو ان کے ساتھ تھی، اور یہ بات بھی تھی کہ خود ابوحنیفہ نے مغازی کا علم، شعبیؒ جیسے شخص سے حاصل کیا تھا، جن کی وسعت معلومات اور وسعت نظر کا اعتراف ابن عمرؓ جیسے رجل عظیم تک کو تھا!

ابن خلکان کی روایت

مذکورہ روایت کے قبول کرنے میں تو کوئی تامل نہ ہونا چاہیے، اس لئے کہ اس روایت میں نہ کسی کی توہین ہے، نہ تعریض نہ کوئی ایسی بات

جو وقار اور جاہ علم کے منافی ہو،

لیکن ابن خلکان نے "الجلیس الصالح" سے جو روایت بغیر سند کے ساتھ نقل کی ہے وہ کسی درجہ میں بھی قابل قبول نہیں، کیونکہ اگر سند درج کر دیتے، تو ہر شخص کذب مکشوف کا اندازہ کر لیتا، سند کا درج نہ کرنا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ راوی خود بھی سند کا ذکر کرتے ہوئے ہچکچاتا ہے،

ایک نایاب کتاب

معافی الجریری کی کتاب "الجلیس الصالح" نایاب کتابوں میں ہے، لیکن اس کا ایک نسخہ مخطوط کتابوں میں آستانہ (قسطنطنیہ) الحاج سلیم میں موجود ہے، اس کی ۳۳ ویں مجلس میں ایک روایت سند کے ساتھ ان الفاظ کے ساتھ ملتی ہے، (۱)

ابو حنیفہؒ کا سوال ابو یوسفؒ سے

"ہم سے محمد بن الحسن بن زیاد المقری نے، ان سے محمد بن خزیمہ نیشاپوری نے، —— ان سے مزنی نے، ان سے شافعیؒ نے بیان کیا،:

امام ابو یوسفؒ مغازی کی سماعت کے لئے ابن اسحاق یا کسی اور شخص کے پاس جانے لگے، اور اس اثنا میں امام ابو حنیفہؒ کی مجلس سے غیر حاضر رہے، پھر جب دوبارہ مجلس ابی حنیفہ میں آئے، تو ابو حنیفہؒ نے ان سے کہا،

"ابو یوسفؒ یہ تو بتاؤ، جالوت کا علمدار کون تھا؟

ابو یوسفؒ نے جواب دیا،

"آپ امام وقت ہیں لیکن اگر ایسے سوالات سے آپ باز نہ آئے تو خدا کی قسم بھرے مجمع میں آپ سے میں سوال کروں گا کہ پہلے جنگ بدر واقع ہوئی تھی یا احد؟ اور آپ ہرگز نہیں بتائیں گے کہ ان میں سے کون جنگ پہلے واقع ہوئی تھی،

---

(۱) - ابن خلکان نے نقل کرتے وقت سند حذف کر دی تھی، میں نے اصل نسخہ تک رسائی حاصل کر لی اس لئے سند کے ساتھ درج کرتا ہوں تاکہ کذب بالکل واضح ہو جائے

"یہ سنکر امام ابو حنیفہؒ خاموش ہو گئے"۔ !

ہر دو روایات کا فرق

دونوں روایتوں کا فرق ظاہر و باہر ہے، صاف طور پر ان کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ یہ صرف کذب اور خباثت نفس ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں ! ۔

اختلاق محض

"الجلیس الصالح" کی یہ روایت اختلاق محض ہے، شواہد حال سے اس کا کذب و دروغ ظاہر ہے۔

کیونکہ ابو حنیفہؒ وہ شخص ہیں جنہوں نے اپنے مسانید میں حضرت عکرمہ کی فضیلت اور اصحاب بدر کی فضیلت میں بہت کچھ کہا ہے، اور اس جنگ کو دوسرے غزوات متاخرہ کے مقابلہ میں سب سے زیادہ معرکہ آرا اور فیصلہ کن قرار دیا ہے، یہ وہ باتیں ہیں جو معمولی آدمی بھی جانتے ہیں، پھر بھلا یہ بات کس طرح تصور کی جاسکتی ہے، کہ ابو حنیفہؒ جیسے امام الائمہ اور شیخ فقہاء الامت اس سے ناواقف ہو !

پھر امام ابو حنیفہؒ وہی بزرگ تو ہیں جنہوں نے اپنے اصحاب کو، کتاب السیر الصغیر املا کرائی تھی، جس کا او زاعی نے ردکیا تھا، اور ابو حنیفہ کے دفاع میں ابو یوسف پیش پیش تھے، پھر بھی ابو حنیفہؒ کا عالم یہ تھا کہ وہ نہیں جانتے تھے بدر کی لڑائی پہلے ہوئی یا بعد میں، اور ابو یوسفؒ انہیں اس کا طعنہ دیتے تھے ؟

پھر ان سب باتوں سے بالا، ایک چیز ہوتی ہے، ادب، سعادت، شائستگی، شاگرد اور استاذ کے روابط اور مراسم، جن ابو حنیفہؒ سے ابو یوسفؒ نے تنا کچھ حاصل کیا، جن کے لئے ہر نماز کے بعد وہ دعائے مغفرت کیا کرتے تھے۔ ان سے اتنے بے ادبانہ طور پر وہ پیش آسکتے تھے ؟

یہ ابو حنیفہ وہی تو ہیں جو ابو یوسف کی تکوین علمی کے سب سے بڑے ناصر اور مددگار تھے ؟ جب تک وہ طلب علم میں مصروف رہے ان کی مالی امداد بھی کھول کر کرتے رہے، کیا ایسے محسن اور سراپا شفقت استاذ کے ساتھ اس لب ولہجہ میں ابو یوسفؒ گفتگو کر سکتے تھے ؟

کیا اس کا یقین کیا جا سکتا ہے ؟

جب کہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ زندگی کی آخری سانس تک ابویوسفؒ شکر و سپاس کے جذبات کے ساتھ اپنے استاذ اور شیخ، اور امام کا ذکر کرتے رہے۔

صاحب "الجلیس الصالح"

اور یہ صاحب "الجلیس الصالح" کون ہے؟
اس کے صدق بیان اور صدق لسان کا کیا عالم ہے؟

یہ وہی شخص ہے جس کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ:

"ایک مرتبہ مامون نے زبردستی امام شافعی کو بیس[۲۰] رطل نبیذ پلا دی۔ لیکن ان کے ہوش و حواس قائم رہے۔"!

لیکن تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ امام شافعی اور مامون الرشید دکمافی لسان المیزان) کبھی باہم مجتمع ہی نہیں ہوئے، ایک دوسرے سے ملے ہی نہیں، جب مجتمع نہیں ہوئے، ملے نہیں، تو پھر نبیذ کس نے پلائی؟ اور کس نے پی؟ ———— کیا یہ روایت کذب خالص نہیں ہے؟

روایت بے سند

اگر ابن خلکان نے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے اس کی سند بھی نقل کر دی ہوتی تو ان کی ذمہ داری ختم ہو جاتی، اور جمہور خود جان لیتے کہ اس روایت کا راوی پرلے درجہ کا کذاب ہے۔

معافی الجریری، جو اس روایت کا راوی ہے، رجال تحری میں نہیں ہے یعنی ان لوگوں میں نہیں ہے کہ اس کی روایتیں بے چوں وچرا قبول کر لی جائیں، درحقیقت وہ لطائف، حکایات، اور افسانہ و قصص بیان کرتا ہے، ظرائف، حکایات اور نوادر و مضحکات اس کا اصل سرمایہ ہے،

علاوہ ازیں اس سند میں ایک دوسرے صاحب، محمد بن الحسن بن زیاد المقری ہیں، یہ بھی مانے ہوئے دروغ گو اور کذاب ہیں، تفصیل مطلوب ہو تو تاریخ خطیب میں ان کے حالات ملاحظہ کئے جائیں، نیز "میزان الاعتدال" میں بھی ان پر جو جرح و قدح ہوئی ہے، اور ان کے پایۂ روایت پر جو آراء جمع کئے گئے ہیں وہ دیکھے جائیں،

لسان المیزان کی تصنیف

اسی طرح لسان المیزان میں بھی ان کی تصنیف کی گئی ہے، اور انہیں ناقابل اعتماد راویوں میں شمار کیا گیا ہے،

طلحہ بن محمد الشاہد اس شخص کے بارے میں لکھتے ہیں،

«نقاش (محمد بن الحسن زیاد المقری) روایت حدیث میں دروغ گو ہے اس پر تصص غالب ہیں، ہر بات کو افسانہ بنا دیتا ہے'!»

برقانی کا قول ہے'؛

«نقاش کی ہر حدیث منکر ہے، اس نے قرآن کی جو تفسیر لکھی ہے، اس میں ایک بھی صحیح حدیث درج نہیں کی ہے'!»

اللالکائی کہتے ہیں،

«نقاش کی تفسیر شفاء الصدور، درحقیقت "اشقار الصدور" ہے ——— ———!»(۱)

خطیب کہتے ہیں؛

«اس کی احادیث میں مناکیر ہیں!»

ذہبی کا قول ہے'؛

«یہ کذاب ہے'!»

بے شک دانی نے اس کی تعریف کی ہے، لیکن وہ بعد مکاں کے باعث اس کے احوال سے صحیح طور پر آشنا نہ تھے،

---

(۱) - یعنی اس نے دلوں و صدور، کو ہلاکت کے قریب پہنچا دیا، بجائے انہیں صحت یاب کرنے کے'!

ابو یوسفؒ اور شافعیؒ

○

کیا ان دونوں کے درمیان ملاقات ہوئی؟

جہاں تک معاصرت کا تعلق ہے، دونوں بزرگوں کا اجتماع اور ملاقات ممکن ہے، اور جامع المسانید[1] میں شافعیؒ کا ایک سوال بھی موجود ہے جو انہوں نے نبیذ سے متعلق ابو یوسفؒ سے کیا تھا لیکن سند سے خالی ہے،

شیوخ شافعیؒ

لیکن الحسن بن ابی مالک نے کتب مناقب شافعیؒ سے ان کے اساتذہ اور شیوخ کی جو فہرست مرتب کی ہے اس میں ابو یوسفؒ کا نام نہیں پایا جاتا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں حضرات کے مابین ملاقات نہیں ہوئی،

لہٰذا ہم جو کچھ کہہ سکتے ہیں وہ صرف اتنا ہے کہ دونوں — اکابر کی ملاقات ممکن تو تھی، لیکن نہ کوئی ایسی سند ہے، نہ روایت جس سے یہ ثابت ہو کہ یہ امکان وقوع میں بھی آیا تھا، کم از کم سند ہوتی تو اس کی جانچ پرکھ کر کے ہم کسی نتیجہ پر پہنچ سکتے، لیکن بدقسمتی سے وہ بھی نہیں ہے۔

---

(۱) - جامع المسانید - لابی المؤید الخوارزمی،

غلط فہمی

ایک بات یہ بھی ممکن ہے کہ روایات میں شافعیؒ اور "ابو یوسفؒ" کی ملاقات و اجتماع کا جو ذکر ملتا ہے، وہ غلط فہمی پر مبنی ہو، یعنی "یوسف" کو سہو قلم سے "ابو یوسف" لکھ دیا گیا ہو، اور یوسف سے مراد، یوسف بن خالد السمتی ہیں، جو بالاتفاق شافعیؒ کے شیوخ میں ہیں،

ابن الجوزی کا دعویٰ

اور رہا، ابن الجوزی کا یہ دعویٰ کہ خلیفہ ہارون رشید کی موجودگی میں شافعی اور ابو یوسف کے درمیان مناظرہ ہوا ——— یہ واقعہ مدینہ منورہ کا بیان کیا جاتا ہے، ——— اور متعدد مسائل پر دونوں کے مابین بحث و گفتگو ہوئی، نیز مکہ مکرمہ میں، ان دونوں حضرات کے درمیان، ان کی کتاب "مغیث الحق" پر بحث و گفتگو ہوئی، نیز "المستظہری" پر بھی جدل و کلام کا سلسلہ جاری رہا، تو ہم اسے ثابت کر چکے ہیں کہ یہ واقعہ بھی تمامتر غلط ہے، (۱)

غلط روایت

اور یہ دعویٰ کہ ابو یوسفؒ اور شافعی ۱۸۴ھ میں جب مؤخر الذکر، حسب روایت عبداللہ بن محمد البلوی اور احمد بن موسیٰ النجار، وارد بغداد ہوئے، مجلس رشید میں ملاقی ہوئے، تو یہ روایت بھی صحیح نہیں مانی جا سکتی، کیونکہ مذکورہ تاریخ سے دو سال پہلے، ابو یوسف اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے،

درایت کی پرکھ

صرف یہی نہیں، بلکہ اور بھی متعدد ایسی روایتیں ہیں جن میں سے کچھ درایت، اور پرکھ پر پوری نہیں اترتیں، اور کچھ پوری اترتی ہیں، مثلاً:۔

- ——— امام شافعیؒ کے دور ابتلاء کے ختم کرنے میں ابو یوسفؒ کا حصہ،
- ——— اسی واقعہ کے بعد، شافعیؒ کا ان کی خدمت میں حاضر ہو کر تحصیل علم کرنا،
- ——— شافعیؒ نے ان سے جو روایتیں سماعت کیں، وہ ایک بار شتر کے برابر تھیں ——— ۔ ——— ؛
- ——— امام شافعیؒ کا یہ دور، دراصل عہد اخذ و تلقی تھا، وہ ابھی مرتبۂ امامت و قدوت پر نہیں پہنچے تھے،

---

(۱)۔ احقاق الحق، ص ۱۰۰۱

لہٰذا، اس کا کوئی سوال ہی نہیں تھا کہ ان سے کوئی حسد کر سکتا اور ان کی رفعت سے جل سکتا،

- ہر موقع پر شافعیؒ کا، ابو یوسفؒ کے فضل و کمال کا کھلے دل سے اعتراف کرنا،
- شافعی کا ادعاء اجتہاد اور اپنے مذہب کی طرف دعوت دینا، امام محمد کی وفات کے سال کے بعد کا واقعہ ہے، جبکہ وہ بغداد میں دوسری مرتبہ ۱۹۵ھ میں وارد ہوئے تھے،
-

یہ ساری تفصیلات، بلوغ الامانی، احقاق الحق، اور التانیب سے ماخوذ ہیں ان میں کچھ روایتیں صحیح ہیں کچھ غلط ہیں،

کذب کی بدترین مثال

جہاں تک ۱۸۴ھ میں شافعیؒ کا محمد بن الحسنؒ اور ابو یوسفؒ سے بیک وقت ملاقات کے دعویٰ کا تعلق ہے جو مجلس رشید میں بتائی جاتی ہے اور یہ کہ امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ دونوں نے ملکر، امام شافعیؒ کے قتل کی سازش کی، یہ شنیع ترین کذب کی بدترین مثال ہے، جسے باور کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا،

لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ بے سوچے سمجھے اور بغیر تحقیق و تمحیص کے اس طرح کی ناقابل اعتبار روایات جو ہر اعتبار سے صرف اختلاق مفضوح پر مبنی ہیں عبد الملک بن الجوینی، ابو حامد الطوسی، اور فخر رازی نے اپنی کتابوں میں اپنے مذہب کی ترجیح کے لئے اس رحلت کاذبہ کے سلسلہ میں درج کر دی ہیں، جو صرف اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ حضرات اصحاب ابی حنیفہؒ کی ضد میں اتنے آگے بڑھ گئے تھے کہ غلط و صواب میں تفریق و تصحیح پر توجہ ہی نہیں کرتے تھے، حالانکہ تاریخ صحیح سے ثابت ہے کہ اس رحلت مفضوحہ کا افسانہ تمام تر غلط، اور ناقابل اعتبار ہے۔

رحلت کاذبہ

اب ہم اس رحلت کاذبہ کے بارے میں کچھ اور ثبوت پیش کریں گے، ابن الجوینی، غزالی، اور رازی وغیرہ علوم معقول میں دستگاہ کامل ضرور رکھتے تھے، لیکن علوم منقول میں ان کا پایہ کچھ زیادہ قابل اعتبار نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ ان حضرات نے تحقیق و تمحیص کے بغیر اس غلط سفر، اور اس کے بیان کردہ واقعات کو درست سمجھ کر نقل کر دیا، حالانکہ وہ اصحاب جو تاریخ

میں ماہر ہیں، اور جن کی نظر رجال و اسانید پر ہے برابر جرح کرتے رہے ہیں،

اس روایت کے راویوں میں ایک صاحب عبداللہ بن محمد البلوی ہیں، جنہوں نے عمارہ سے روایت کی ہے، ان کے بارے میں ذہبی میزان میں دارقطنی کا قول نقل کرتے ہیں:

"یہ شخص حدیث وضع کر لیا کرتا تھا" !

خود ذہبی نے لکھا ہے:

"اس شخص سے ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں استسقائے متعلق ایک حدیث موضوع درج کی ہے" !

ابن حجر "اللسان" میں اس کے بارے میں کہتے ہیں:

"یہ شخص شافعی کا ہم سفر بنتا ہے، لیکن اس نے جو کچھ کہا ہے سب جھوٹ ہے" !

ایک اور قول ہے:

من گھڑت افسانہ

"عبداللہ بن محمد البلوی کے طریق سے شافعیؒ کی طرف جو سفر منسوب ہے اور جس کی آبری اور بیہقی وغیرہ نے مطول اور مختصر طور پر تخریج کی ہے اور جسے فخر الدین رازی نے مناقب شافعیؒ میں بغیر اسناد کے درج کر دیا ہے کیونکہ انہیں اس پر اعتماد تھا، تو معلوم ہونا چاہیے، سفر کا یہ افسانہ بالکل من گھڑت ہے، جو کچھ اس شخص نے کہا ہے، اس کا بہت بڑا حصہ دروغ پر مبنی ہے" ! (۱)

ایک اور جرم

دوسرے راوی، احمد بن موسیٰ النجار کے بارے میں، ذہبی ارشاد فرماتے ہیں:

"احمد بن موسیٰ النجار حیوان وحشی ہے" !

ابن حجر نے بھی "اللسان" میں اس کی سخت الفاظ میں تضعیف کی ہے،

---

(۱) - توالی التاسیس،

ابن کثیر کا قول

ابن کثیر اس سلسلہ بحث میں فرماتے ہیں :

"جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ شافعی اور ابو یوسفؒ کے مابین ملاقات ہوئی تھی، جیسا کہ عبداللہ بن محمد البلوی مشہور کذاب کا قول ہے وہ غلطی کرتا ہے، حقیقت امر یہ ہے کہ شافعیؒ نے پہلے پہل جب بغداد کی سرزمین پر قدم رکھا تو ۱۸۴ھ شروع ہو چکا تھا۔

البتہ یہ درست ہے کہ شافعی محمد بن الحسن شیبانی (امام مالک) کی خدمت میں برابر حاضری دیتے رہے اور وہ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے رہے ان کی دستگیری کرتے رہے اور ان دونوں کے مابین نہ کسی قسم کی مخاصمت تھی، نہ عداوت اور دشمنی جیسا کہ بعض ناواقف لوگوں کا بیان ہے۔" (۱)

تاریخ اور روایت

ایک طرف یہ تاریخی بیانات ہیں، جن کی صحت وصداقت میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا، دوسری طرف ایسی روایتیں بعض اہل علم کی نظر میں آتی ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شافعی کا مرتبہ بڑھانے اور ابو یوسفؒ کا مرتبہ گھٹانے کے لئے، یہ وضع کی گئی ہیں، اور چونکہ موضوع اور من گھڑت ہیں، اس لئے جب ان کا تاریخ سے موازنہ کیا جاتا ہے، اور صفحات تاریخ سے مدد لی جاتی ہے، تو ان کا پول کھل جاتا ہے!

مثلاً نووی کا قول ہے!

"امام شافعی کے سفر کا واقعہ مشہور اور مسموع ہے!" (۲)

یا یہ قول :

"ہارون رشید کی مجلس سے واپس آنے کے بعد ابو یوسف القاضی نے

---

(۱) - تاریخ ابن کثیر ج ۱۰ ص ۱۸۲

(۲) - المجموع ج ۱، ص ۸

شافعی کو بلا بھیجا، اور ان سے سلام کرنے کے بعد کہا،

"آپ تصنیف کی طرف توجہ کیوں نہیں کرتے، بکیونکہ اس زمانہ میں آپ سے زیادہ اس کام کا اہل کوئی اور نہیں ہے!" (۱)

حالانکہ ہر اہل علم جانتا ہے کہ ابو یوسفؒ اور شافعیؒ کے مابین ملاقات ہی نہیں ہوئی پھر یہ گفتگو کیسے ہوگئی؟

سخاوی کا قول

سخاوی کہتے ہیں:

"یہ جو کہا جاتا ہے کہ شافعی اور ابو یوسف کے مابین ملاقات ہوئی اور یہ ملاقات خلیفہ ہارون رشید کی موجودگی میں ہوئی، بالکل غلط اور باطل ہے، کیونکہ شافعی اور رشید کی ملاقات ابو یوسف کی وفات کے بعد ہوئی، اس سے پہلے نہیں ہوئی، اسی طرح یہ واقعہ بھی یکسر غلط اور ناقابل اعتبار ہے کہ محمد بن الحسن نے ابو یوسف کو اس کے قتل پر اکسایا!" (۲)

شافعی بری ہیں

ظاہر ہے امام شافعی کا کوئی تعلق ان غلط روایتوں کی ترویج و تشہیر سے نہ تھا، نہ ہو سکتا تھا، علم و معرفت کے جس منتہی بلند پر فائز تھے، ان سے اس طرح کی توقع بھی اور کسی حالت میں بھی کی جا سکتی تھی یہ صرف ان لوگوں کی حرکت ہے جو فتنہ جو اور شر انگیز طبیعت کے مالک تھے، اور جو چاہتے تھے کہ ملت اسلامیہ کے دو عظیم فرقوں ـــــــــــــــــــ حنفیوں اور شافعیوں ـــــــــــــــــــ میں اختلاف و منافرت پیدا ہو اور یہ دونوں ایک دوسرے سے زیادہ سے زیادہ دور ہوتے چلے جائیں،

لیکن ان غلط فہمیوں کا رخ کرنا، اور ان بدگمانیوں کا پردہ چاک کرنا، اور ان افترا پردازیوں کے چہرے سے نقاب اٹھانا چونکہ ایک علمی فریضہ ہے اس لئے ہم نے اس بحث پر قلم اٹھانا ضروری اور لابدی سمجھا، اور دلائل واضحہ، اور روایات تاریخی سے ثابت کر دیا کہ ان روایات اور بیانات میں کذب و دروغ کے سوا

---

(۱) تہذیب الاسماء واللغات، ج ۱، ص ۵۹

(۲) المقاصد الحسنہ، ص ۲۲۲

کچھ نہیں ہے،

حیرت انگیز

اس سلسلہ میں جو حیرت انگیز باتیں نظر کے سامنے آتی ہیں، ان میں یہ بھی ہے کہ بعض اصحاب نے حقائق، دلائل اور واقعات سے قطع نظر کرکے یہ تک کہنا شروع کر دیا کہ:

الائمہ من قریش

"کافہ عاقلین اور عامہ مسلمین پر عام اس سے کہ وہ مشرق میں رہتے ہوں یا مغرب میں، دور دراز مقامات میں بود و باش رکھتے ہوں، یا قریب ترین مقامات میں، واجب ہے کہ مذہب شافعی قبول کر لیں، اس لئے کہ وہ قریش تھے، اور حدیث ہے کہ:

"الائمۃ من قریش یعنی امامت صرف قریش کا حق ہے"!!

دانش و بینش سے خالی

اگر جوینی (ص ۱۶) کی یہ بات جو سلامتی فکر، اور دانش و بینش سے یکسر خالی ہے مان لی جائے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟

ہم ایک ایسی بات ماننے پر مجبور ہو جائیں گے جسے امر واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہے،

اصل بات یہ ہے کہ روایت خواہ کسی کی ہو، اس وقت قبول کی جا سکتی ہے، جب اسے درایت کی کسوٹی پر کس لیا جائے، اور یہ اطمینان کر لیا جائے کہ اس میں کوئی خامی اور کوتاہی نہیں ہے۔ اگر اس میں خامی اور کوتاہی نظر آئے، تو ظاہر ہے اسے صرف اس لئے قبول نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا راوی فلاں ہے

حق بہر حال حق ہے، اور ناحق بہر حال ناحق ہے، اور ان دونوں کا فرق تو ملحوظ رکھنا ہی پڑے گا، یہ کیونکر ممکن ہے کہ سلامتی سوا اس کے باوجود اسے نظر انداز کر دیا جائے!

•

مذاہب فقہ کے علماء میں کچھ ایسے لوگ بھی گذرے ہیں، جنہوں نے اپنی فقہ کو الہام کا درجہ دیا، اپنے امام فقہ کی آنکھ بند کر کے پیروی کی، اور دوسرے لوگوں کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے ایسے طریق اختیار کئے جو اسلام کی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتے تھے،

اور اسی پہ اکتفا نہ کیا بلکہ، دوسرے ائمہ فقہا کو ہدف طنز و تعریض بھی بنایا، لیکن حق بہر حال حق ہے اور وہ ظاہر ہو کر رہتا ہے — اور ظاہر ہوا،

•

امام ابو یوسفؒ کا اخلاق و تلطّف

چند ناقابل فراموش حقائق و واقعات

امام ابو یوسفؒ کی ذات گرامی مجموعۂ اوصاف و کمالات گوناگوں تھی، وہ بہت بڑے مفسّر تھے، حافظ حدیث تھے، فقیہہ تھے، مجتہد وقت تھے، ادب و شعر پر ان کی نظر بہت گہری اور وسیع تھی، علوم عربیہ کے ماہر تھے، ایامِ عرب اور انساب کے فن پر بھی غیر معمولی دسترس رکھتے تھے، اگر یہ کہا جائے کہ وہ جامع علوم و فنون تھے، تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا،

بڑا انسان

ان سب حیثیات سے قطع نظر وہ ایک بہت بڑے انسان بھی تھے، ان کی ذات گرامی ہمہ خوبی تھی، لطف اخلاق ان کا خمیر تھا، عنایت کے ہر کسی پر وہ عادی تھے، ان کا برتاؤ ہر ملنے والے سے عام اس سے کہ وہ دوست اور شناسا ہو، عزیز اور رشتہ دار ہو، دشمن اور مخالف ہو، نکتہ چیں اور قدح کرنے والا ہو یکساں تھا، ——— وہی لطف و کرم،

وہ بہت بڑے منصب پر فائز تھے، دنیا کی سب سے بڑی حکومت کے رکن رکین اور قاضی القضاۃ تھے، خلیفۂ وقت کی ناک کے بال تھے، اعیان واشراف درباران کے سامنے سر جھکاتے تھے، خود خلیفہ کا یہ عالم تھا کہ ان کے سامنے سراپا ادب بن کر بیٹھتا تھا، لیکن اس بلندی پر پہنچ جانے کے باوجود نہ ان میں نخوت تھی، نہ

پندار، نہ تکبر، نہ غرور، نہ احساس برتری، وہ سب سے جھک کر ملتے تھے، سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے تھے کسی کا دل نہیں دکھاتے تھے، کسی کے کام اگر آسکتے تھے تو ذرا تامل نہ کرتے تھے، یہی چیزیں ان کے بہت بڑے انسان ہونے کی دلیل تھی ——— کیا وہ ایک بڑے انسان نہ تھے، ؟

کسی کو کسی پر ترجیح نہیں

ابن ابی العوام طحاوی سے، وہ بکار بن قتیبہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

"ابوالولید الطیالسی کہہ رہے تھے کہ جب ابو یوسف فریضۂ حج سے فراغت کر کے ہارون رشید کے ساتھ بصرہ تشریف لائے تو اصحاب رائے اور اصحاب حدیث کا ٹھٹھ کا ٹھٹھ ان کے دروازے پر شوق دیدار سے بے قابو ہو کر لگ گیا، ان میں سے ہر گروہ اور، ہر شخص سب سے پہلے گھر میں داخل ہونا چاہتا تھا،"

یہ منظر دیکھ کر امام صاحب خود باہر نکل آئے، اور سب سے ملاقی ہوئے، اس طرح انہوں نے کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیا، نہ کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہونے دیا کہ وہ محروم ہو گیا، اور دوسرا اس سے بازی لے گیا، !

اس کے بعد انہوں نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا،

"میں آپ دونوں کے گروہوں (اصحاب رائے اور اصحاب حدیث) سے تعلق رکھتا ہوں لہٰذا کسی ایک گروہ کو کسی دوسرے گروہ پر ترجیح نہیں دے سکتا، لیکن میں فریقین سے ایک مسئلہ پوچھتا ہوں جو فریق صحیح جواب دے گا، اسی کو سب سے پہلے میرے گھر میں داخلے کا موقع ملے گا،"

ایک سوال

یہ کہہ کر امام صاحب نے اپنی انگلی سے ایک انگوٹھی نکالی، اور ارشاد فرمایا، :

"ایک آدمی نے میری یہ انگشتری منہ میں لے کر چبا ڈالی، اور اسے ریزہ ریزہ کر دیا، اب بتایئے میں کیا کروں، ؟

اہل حدیث میں سے کچھ آدمیوں نے جواب دیا، لیکن امام صاحب نے اس جواب کو درست نہیں مانا، پھر اہل الرائے میں سے ایک آدمی کھڑا ہوا، اس نے کہا،

ایک اہل الرائے کا جواب

"اس آدمی سے سونے کی قیمت لے لی جائے گی، اور وہ صاحب خاتم کو دے دی جائے گی، تاکہ اس کے نقصان کی تلافی ہو سکے، اور وہ ٹوٹی پھوٹی انگوٹھی اس کے حوالے کر دی جائے گی بشرطیکہ صاحب خاتم اسے اپنے پاس نہ رکھنا چاہتا ہو، البتہ ٹوٹ پھوٹ کی کوئی قیمت نہیں دلائی جائے گی"۔

یہ سنکر امام ابو یوسف نے فرمایا، اس آدمی کے گروہ کے لوگ اندر داخل ہو جائیں، چنانچہ اصحاب رائے داخل ہو گئے، میں بھی ان کے ساتھ ساتھ پہنچ گیا۔

حسن بن صالح کی توثیق

پھر امام صاحب نے اپنے مستملی کو املا کراتے ہوئے حسن بن صالح سے روایت کردہ حدیث لکھائی، یکایک ایسا محسوس ہوا جیسے ان کے دل میں کوئی خاص بات کھٹک رہی ہے، یا کسی آدمی نے ان سے کچھ کہا ہے جس میں نہیں سن سکا، بہرحال یک بیک امام صاحب نے فرمایا۔

"میں کسی شخص سے بھی نہیں ڈرتا، اور جو شخص حسن بن صالح کی شخصیت میں کلام کرتا ہے خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو، میں اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا"۔

ایک غلط شبہ

یہ سنکر میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہو نہ ہو امام صاحب کا اشارہ شعبہ کی طرف ہے چنانچہ میں کھڑا ہو گیا، اور میں نے کہا،

"خدا کی قسم میں ایسی مجلس میں نہیں بیٹھ سکتا، جہاں ابو بسطام (شعبہ) پر تعریض کی جاتی ہو!"۔

یہ کہہ کر میں باہر نکل آیا،

لیکن اپنے دل میں بہت شرمندہ اور نادم تھا،

میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ شخص جو قاضی آفاق ہے امیر المؤمنین کا وزیر باتدبیر ہے

سفر حج میں ان کا زمیل اور رفیق بن گیا اور ایسے میرے غضب سے کیا نقصان

اور میری رضا سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے ، ۔

یہ سوچ کر میں پھر مجلس میں آکر بیٹھ گیا،

شعبہ پر کوئی اعتراض نہیں

جب مجلس برخاست ہوگئی تو امام صاحب بہ نفس نفیس میرے پاس تشریف لائے اور

ارشاد فرمایا،

"ہشام خدا کی قسم ابوالسلام کے بارے میں میں نے کوئی بری بات نہیں سوچی

تھی، میرے دل میں ان کی بھی محبت و عظمت ہے جو تمہارے دل میں نہیں ہے، لیکن

حسن بن صالح میری نظر میں بے مثل اور یکتا شخص ہیں، "

واقدی کے ساتھ حسن سلوک

عام طور پر اہل علم، چشمک، اور رقابت کی بنا پر دوسرے اہل علم سے کھٹکتے ہیں اور ان کی منزلت کا اعتراف نہیں

کرتے، لیکن امام ابویوسف ان لوگوں میں نہیں تھے، وہ اگر کسی اہل علم کو خستہ و درماندہ، پریشان اور زبوں

حال دیکھ لیتے تھے، تو تڑپ جاتے تھے، اور جب تک اس کے مصائب دور نہ کر لیتے تھے انہیں چین

نہ آتا تھا، اسی طرح کا واقعہ واقدی کے ساتھ گذرا،

عزوم بن فروہ کہتے ہیں کہ جب امام ابویوسف حج کے ارادے سے حجاز تشریف لے گئے، تو

وہاں ان کی ملاقات واقدی سے ہوئی جو بہت زبوں حال (فلاکت زدہ حال) میں تھے،

امام صاحب سے ان کا یہ حال دیکھا نہ گیا، انہیں وہ اپنے ساتھ بغداد لے آئے،

جب وہ ہارون رشید کی مجلس میں گئے، تو وہاں یحییٰ ابن خالد برمکی سے بھی ملاقات ہوئی

یحیٰی نے پوچھا،

"کبھی آپ گھر سے ہمارے واسطے بھی کوئی تحفہ لاتے ؟"

امام صاحب نے جواب دیا،

یحیٰی برمکی اور ابویوسفؒ

"میں آپ کے واسطے ایک ایسا گراں بہا، اور گراں مایہ تحفہ لایا ہوں کہ مجھ سے پہلے ایسا نادر تحفہ کسی نے بھی آپ کی خدمت میں پیش نہ کیا ہوگا،!"

یحیٰی نے پوچھا،

"کیا ہے وہ تحفہ ؟"

امام صاحب نے فرمایا،

"میں آپ کے لئے ایسا ہمہ داں شخص لایا ہوں، کہ اس سے جو پوچھے فوراً جواب لے لیجئے!"

یحیٰی نے اشتیاق اور بے تابی کے ساتھ کہا،

"کہاں ہے وہ ؟"

خود واقدی کا بیان

واقدی روایت کرتے ہیں کہ ابویوسفؒ نے مجھے یحیٰی کے پاس دربار خلافت سے واپس آنے کے بعد بھیج دیا،

یحیٰی سارا دن مجھ سے باتیں کرتا رہا، جب رات ہوئی تو حکم دیا میرا بستر بھی اس کے بستر کے قریب بچھا دیا جائے، جب صبح ہوئی تو اس نے قلم دوات طلب کیا، ایک چٹھی لکھی، اور اپنے ایک خادم کو دے دی، اور اس سے کہا،

"جب یہ (میں، یعنی واقدی) نماز پڑھ لیں تو انہیں لے کر فلاں شخص کے پاس جاؤ،!"

جب میں نماز سے فارغ ہوا، تو خادم نے عرض کیا،

"چلئے، تشریف لے چلئے،!"

وہ مجھے ایک شخص کے پاس لے گیا، اور وہ چٹھی اسے دیدی، اس آدمی نے خادم سے کہا،

"تم جاؤ"!

پھر مجھ سے کہا،

"تشریف رکھئے"!

پھر ایک غلام کو بلایا، اور اسے حکم دیا کہ تھیلیاں یہاں لا کر ڈھیر کر دی جائیں، یہاں تک کہ وہ ڈھیر ہو گئیں، میں نے کہا،

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ مجھے دیر ہو رہی ہے"!

اس نے جواب دیا،

"آپ ہی کا کام کر رہا ہوں، مجھے وزیر دستی نے کہا ہے کہ آپ کو ایک لاکھ درہم دے دوں، وہی گنوا رہا ہوں"!

میں نے کہا،

"اس رقم میں سے دس ہزار تو خدام کو انعام دے دیجئے باقی اپنے پاس رکھ لیجئے"!

ابویوسفؒ کا رویہ

پھر میں ابویوسفؒ کے پاس آیا، اور انہیں یہ سارا ماجرا سنایا،

ابویوسفؒ نے کہا،

"نہیں، یہ کم رقم ہے، میں اس میں اور اضافہ کراؤں گا"!

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ واقدی کی ابویوسفؒ کے دل میں کتنی منزلت تھی، اور خلیفہ کے با اختیار اور با اقتدار وزیر سے بھی وہ کس طرح سے کام چاہتے تھے لے لیتے تھے، اور یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں علم اور اہل علم کی قدر و منزلت کا کیا عالم تھا؟

حماد بن زید اور ابویوسفؒ

ابراہیم بن الجراح کہتے ہیں کہ جب میں نے حصول علم کے لئے بصرہ جانے کا ارادہ کیا تو ابویوسفؒ سے پوچھا،

"وہاں میں کس سے علم حاصل کروں"؟

امام صاحب نے فرمایا،

"حماد بن زید سے" !"

چنانچہ میں بصرہ آیا، اور حماد بن زید کی مجلس درس میں حاضری دینے لگا، خدا کی قسم مجھے دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی تھی کہ جب بھی اس مجلس میں ابو یوسفؒ کا ذکر ہوا تو نہایت ناشائستہ اور اہانت آمیز الفاظ میں،

ایک سبق آموز واقعہ

ایک روز میں حماد کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک عورت آئی، اور اس نے ان سے استدعا کی کہ:

"مجھے ایک دستاویز لکھ دیں" !

حماد بن زید یہ استدعا سُن کر کشمکش میں پڑ گئے، نہ اس عورت کا دل توڑنا چاہتے تھے، نہ اصحاب حدیث سے جو حاضر مجلس تھے، بے توجہ ہونا چاہتے تھے، میں نے ان کی اس ذہنی کشمکش کا اندازہ کر لیا اور کہا،

"اس عورت سے کہئے، کاغذ مجھے دے دے، میں لکھے دیتا ہوں" !"

عورت نے کاغذ مجھے دے دیا، اور میں دستاویز لکھنے لگا، مجھے مصروف دیکھ کر حماد درس حدیث سے رک گئے، کہ میں محروم نہ رہ جاؤں،

میں نے کہا،

"اس کی ضرورت نہیں، میں اپنے کام میں مشغول ہوں، آپ اپنا کام جاری رکھئے" !"

چنانچہ انہوں نے پھر درس حدیث شروع کر دیا، جب میں نے دستاویز لکھ لی تو ملاحظہ کے لئے حماد کی خدمت میں پیش کی، انہوں نے اسے پڑھا اور بہت پسند کیا، پھر پوچھا،

حماد کا سوال اور ابراہیم کا جواب

"تم نے یہ علم کس سے سیکھا ہے؟"

میں نے کہا،

"اس شخص سے جس کا ذکر آپ کی مجلس میں ہمیشہ بُرے الفاظ میں ہوتا ہے، جب میں اس سے رخصت ہو کر بصرہ آنے لگا تو میں نے مشورہ لیا کہ وہاں کسے استاد بناؤں؟ اور کس کے حلقہ درس میں بیٹھوں؟ اس نے مجھے تاکید کی کہ آپ کے سوا کسی اور کے دامن علم سے وابستہ نہ ہوں" !"

حماد نے پوچھا،

لیکن کون ہے وہ شخص؟

میں نے جواب دیا،

"ابو یوسف ہے!"

یہ سن کر ندامت کے آثار ان پر طاری ہوئے، اور اس کے بعد جب بھی انہوں نے امام صاحب کا ذکر کیا، تو وہ ذکرِ خیر کے سوا کچھ نہ تھا!

عبرت و موعظت

یہ واقعہ عبرت و موعظت کے کئی پہلو اپنے اندر رکھتا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہلِ روایت کے سلسلہ میں ابو یوسف کا دل کتنا وسیع تھا، اور یہ بھی کہ ابن الجراح اپنے استاذ (ابو یوسف) کی توہین برداشت نہ کر سکے، اور ان کے ازالۂ توہین کے لئے نہ صرف استاذ کی توہین بھی نہیں کی، بلکہ موقعہ کے منتظر رہے، اور جب وہ مل گیا، تو پھر بغیر کسی تامل کے تلافی کر کے رہے، اور یہ کہ حکمت و موعظت سے کام لیا جائے، تو مخالف کو بھی کس طرح موافق بنایا جا سکتا ہے؟ اور یہ کہ ائمہ حنفیہ کے بارے میں غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کا کیسا وسیع سلسلہ ہر چہار طرف پھیلا ہوا تھا،

اہلِ علم کے دو طبقے

اہلِ علم کے درحقیقت دو طبقے ہوتے ہیں:

۱۔ اربابِ صلاح و تقویٰ،

۲۔ اصحابِ ہوا و ظن،

آخر الذکر گروہ، صرف اپنے لئے، اپنی جماعت کے لئے، اپنے ہم خیالوں کے لئے کلمۂ خیر کہنے کا عادی ہوتا، اور مدح و ستائش کا خوگر ہوتا ہے، اس کے برعکس اول الذکر گروہ، کسی کے لئے بھی اپنے دل میں برائی کا جذبہ نہیں رکھتا، سب کے لئے نیک گمان رکھتا ہے، اور ہر کسی کے فضل و کمال کے اعتراف و ستائش کے لئے تیار رہتا ہے، ——————— امام ابو یوسف

کا شمار اسی گروہ میں تھا، انہوں نے اپنے مخالفوں اور نکتہ چینوں تک کی تعریف میں، اور ان کے فضل و کرم کے اعتراف و اقرار میں ذرا تامّل نہیں کیا، بلکہ فراخ دلی کے ساتھ یہ فریضہ انجام دیا، !

اور اس طرح دنیا پر ثابت کر دیا کہ ان کا دل کتنا وسیع تھا، اور وہ بدگمانی اور ظن فاسد سے کتنے دور تھے، ! انہوں نے کبھی کسی کی برائی نہیں، کبھی کسی کے لیے سخت و درشت اور نا ملائم الفاظ نہیں استعمال کیے، کبھی کسی کے بارے میں ایسی رائے کا اظہار نہیں کیا جو اس کے لیے موجب توہین اور اس کے ماننے والوں کے لیے باعث تکلیف ہو، انہوں نے اپنے کام سے کام رکھا، اور اس کی ذرا پروا نہ کی لوگ کیا کہتے اور کیا کرتے ہیں، ؛

کتب مصنفات میں اگر تلاش و استقصاء سے کام لیا جائے تو امام ابو یوسفؒ کے ارشادات و کلمات جو اپنی معنویت، بلاغت، اثر آفرینی اور موقع و محل کے لحاظ سے جاذبِ فکر و نظر ہوں، بہت سے مل سکتے ہیں بلکہ ایک پوری کتاب اس سلسلہ میں مرتب ہو سکتی ہے۔

لیکن چونکہ مقصود بسط و تفصیل سے کام لینا نہیں، ایجاز و اختصار کو مدِ نظر رکھکر اس موضوع کے جملہ ممکن عنوانات پر گفتگو کرنا ہے اس لئے ظاہر ہے اس عنوان میں بھی یہ روش قائم رکھنا پڑے گی، اور زیادہ سے زیادہ اختصار سے کام لینا پڑے گا،

چنانچہ اگلے باب میں امام صاحب کے جو کلمات ماثورہ درج کئے جا رہے ہیں انہیں مشتے نمونہ از خروارے سمجھنا چاہیے، !

ابو یوسفؒ کے کلماتِ ماثورہ

تقابل اور موازنہ

امام ابو یوسفؒ اپنے وقت کے نابغہ (جینیس) تھے یوں تو علم و فن میں وہ دستگاہ کامل رکھتے تھے، لیکن فقہ ان کا خاص فن تھا، اس میں بجا طور پر وہ امامت اور اجتہاد کے مرتبے پر فائز تھے،

اقوال و کلمات

وقتاً فوقتاً، مختلف مواقع پر انہوں نے جو کلمات ارشاد فرمائے ہیں، یا جو اقوال ان کی طرف منسوب ہیں، اگر ان کا مطالعہ کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ واقعی وہ اپنے وقت کے نابغہ (جینیس) تھے، اور ان میں وہ تمام خوبیاں اور صفات موجود تھے، جو ایک شخص کو، اس درجے پر پہنچانے میں معین و مددگار ہوا کرتے ہیں،

ذیل میں ہم امام صاحب کے بعض اقوال و کلمات درج کرتے ہیں، ان سے جہاں امام صاحب کی سیرت و شخصیت، اور ذات مستجمع الصفات کا اندازہ ہوگا، وہاں ان کے کردار بلند پر بھی روشنی پڑے گی، اور معلوم ہوگا کہ وہ کس کردار کے حامل تھے،

اس طرح کے معلومات کے فراہم کرنے میں ہمیں غیر معمولی دشواری پیش آئی ہے، یوں کہنا چاہیے، سمندر سے موتی نکالنے پڑے ہیں لیکن خدائے لایزال کا شکر ہے کہ بہر حال یہ کام بن آیا،

عالم نزع میں ارشاد

قہوستی کا قول ہے کہ امام شعبی اپنی کتاب کفایہ میں روایت کرتے ہیں کہ:
امام ابو یوسفؒ پر جب نزع کا عالم طاری ہوا، تو انہوں نے اپنے
رب سے مناجات کرتے ہوئے کہا،

یا اللہ،

میں نے تیری کتاب، تیرے نبی کی سنت اور اقاویل صحابہ پر ہمیشہ نظر رکھی،
میں نے ابوحنیفہؒ کو اپنے اور تیرے درمیان ایک پُل بنا لیا ہے،
تو جانتا ہے میں نے نہ کبھی کسی قوی سے مخاصمت رکھی، نہ ضعیف سے، نہ قوی
کی طرف مائل ہوا، نہ ضعیف سے دل تنگ،
" اگر تو جانتا ہے کہ میں سچ کہہ رہا ہوں، تو میری مغفرت فرما دے،
" !

اے اللہ میرے اور تیرے مابین ابوحنیفہؒ ہیں

سبط ابن جوزی کہتے ہیں کہ:
" وفات کے وقت ابو یوسفؒ کہہ
رہے تھے،
اے اللہ،
تو خوب جانتا ہے، میں نے کسی پر زیادتی نہیں کی، کسی پر جور نہیں کیا، جہاں بوجھ کر کوئی غلط حکم
میں نے تیرے بندوں پر نہیں تھوپا، میں نے تیری کتاب، اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کی سنت کو پیش نظر رکھ کر اجتہاد کیا، جب کبھی مجھے کوئی مشکل پیش آئی تو میں نے ابوحنیفہؒ کو اپنے
اور تیرے مابین کر لیا، ابوحنیفہؒ تیرے احکام سے مجھ سے زیادہ واقف تھے، اور تیرے حکم
کے دائرے سے کبھی باہر نہیں نکلتے تھے، " ! (۱)

---

(۱) - مراۃ الزمان،

شافعیؒ اور ابو یوسفؒ کے قول میں تقابل

یونس شافعی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ انہوں نے کہا،

"کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مجھ سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا ہے، میں اس کی علت اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں، لیکن الفاظ نہیں ملتے کہ اسے زبان سے بیان کر سکوں،

احمد بن ابی عمران نے سوال کیا،

"کیا شافعیؒ نے اس کے علاوہ بھی کچھ کہا تھا؟"

انہوں نے جواب دیا،

"نہیں ——— اور کچھ تو نہیں کہا تھا، !"

اس پر احمد بن ابی عمران نے بتایا کہ:

"ہمارے پاس ابو یوسفؒ کا قول ایسے ہی معاملہ میں اس سے کہیں زیادہ اچھا ہے،

——— !"

مشکل اظہار

ہم سے محمد بن شجاع نے اُن سے حسن بن ابی مالک نے کہا، میں نے ابو یوسفؒ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ کبھی مجھ سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا ہے میں اس کی علت دل میں جانتا ہوں، لیکن الفاظ نہیں ملتے کہ زبان سے اسے بیان کر سکوں، میری مثال ایسے موقع پر اس آدمی کی سی ہوتی ہے کہ اسے کوئی شخص درہم دکھاتا ہے، اور وہ دیکھتے ہی کہہ دیتا ہے کہ یہ کھوٹا ہے یا کھرا؛ اگر اسی سے اس قول کی علت اور سبب بارے میں دریافت کیا جائے تو وہ کچھ نہ بتا سکے گا، لیکن یہ فیصلہ ضرور کرے گا کہ وہ کھوٹا ہے یا کھرا!"

حضرت علی کی پیروی ایسے کہ وہ سب سے بڑے قاضی تھے

علی بن حجر کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ابو یوسفؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ،

و فرائض میں حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ کا قول میں قبول کرتا ہوں لیکن اگر ان دونوں میں اختلاف ہو تو علیؓ کا قول قبول کر لیا جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے،

اقضاکم علیٌ یعنی تم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں، "

رؤس النعم تین ہیں

احمد بن حنبل ابو یوسفؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا:

"جو شخص عار سے خائف نہ ہو اس کی حیثیت قیامت کے دن موجب ننگ ثابت ہوگی، " اور یہ فرمایا کہ رؤس النعم تین ہیں،

۱: نعمت اسلام: ———— کہ کوئی نعمت بھی اتمام تک نہیں پہنچ سکتی جب تک یہ نعمت نہ حاصل ہو۔

۲: نعمت صحت: عافیت کا حصول بغیر اس نعمت کے ممکن نہیں،

۳: نعمت غناء ———— زندگی کی نعمت بغیر اس کے ناتمام ہے "!

بحر بیکراں

حقیقت یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی ذات ستودہ صفات، عجیب و غریب اوصاف کا مجموعہ تھی، ان کی گفتار و کردار کے جس پہلو کو بھی لیا جائے، وہ ایک بحر بے کراں نظر آتا ہے، نہ اس کی غواصی آسان ہے، نہ اس کا احاطہ ممکن ہے۔

سطور بالا میں امام صاحب کے جو کلمات و اقوال پیش کئے گئے ہیں، وہ مشتے نمونہ از خروارے کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن ان سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کے سوچنے اور بولنے کا انداز کیا تھا، اور وہ زندگی کے احوال و حقائق کو کس طرح پر کھنے اور برتنے کے عادی تھے، اور اسی سے ان کی گمبھیر شخصیت نمایاں ہو کر سامنے آجاتی ہے، اور اندازہ ہو جاتا ہے، کہ ان کی زندگی اور قول و عمل کے درمیان کسی طرح کا فرق و تفاوت نہیں تھا، ان دونوں میں کامل یکسانیت اور ہم آہنگی تھی، وہ جو کچھ کہتے تھے، اس پر عمل بھی کرتے تھے، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انہوں نے

سوچا کچھ ہو، اور کہا کچھ ہو، ان کے قول اور فعل دونوں میں کامل یکسانیت اور ہم آہنگی تھی —— ——!

امام ابو یوسفؒ کے قول و فعل، گفتار و کردار، اور صورت و سیرت پر جتنی عمیق نظر ڈالی جائے گی ان کی عظمت اور اجلال میں اضافہ ہوتا جائے گا، ان کی شخصیت دلوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے اس میں غیر معمولی کشش ہے، ٭

ائمہ فقہ میں ابو یوسف وہ پہلے اور شاید آخری شخص ہیں، جنہوں نے فقہ کو ایک فن کی حیثیت سے زندۂ جاوید بنا دیا، اگر ابو یوسفؒ نہ ہوتے تو فقہ اسلامی اس مرتبے پر نظر نہ آتی جس پر آج نظر آتی ہے ——

وہ ابو یوسفؒ ہی تھے جنہوں نے حلقۂ درس میں، مسند قضا پر، ایوان خلافت میں، قصر امیر المومنین میں، اپنی فقہ کی عظمت بڑھائی،!

یہی وجہ تھی کہ ابو حنیفہؒ ابو یوسفؒ کے استاد تھے، لیکن ان کا احترام کرتے تھے،

امام ابو یوسفؒ کے احکام اور جوابات

چند دلچسپ اور نتیجہ خیز نمونے

امام ابو یوسفؒ کے بارے میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ بہت بڑے عالم، بہت بڑے مجتہد، اور بڑے وسیع النظر اہل علم تھے، ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ فقہ ان کا خاص موضوع تھا، اور اسی فن میں انہیں پایۂ اجتہاد حاصل تھا، ان کا اجتہاد، تقلید سے عاری تھا، حتیٰ کہ امام ابو حنیفہؒ ——— جو ان کے استاذ جلیل تھے ——— کی پیروی آنکھ بند کر کے وہ نہیں کرتے تھے، اور سچ پوچھئے تو ایک مجتہد میں یہ بات ہونی ہی چاہیے۔

واقعات کا پس منظر

لیکن ہمارا دعوے بے دلیل رہے گا، اگر ہم ——— مختصر طور پر ——— چند ایسی مثالیں اپنے قارئین کے سامنے نہ پیش کریں، جن سے ہمارا دعویٰ پورے طور پر مبرہن ہوتا ہو، اور ثابت ہو کہ واقعی امام صاحب کے بارے میں جو کچھ عام طور پر کہا اور سمجھا جاتا ہے، وہ محض حسن ظن پر مبنی نہیں ہے، بلکہ وہ اپنے ساتھ ناقابل تردید واقعات وحقائق کا پس منظر بھی رکھتا ہے،

چنانچہ ذیل میں اسی موضوع سے متعلق ہم کچھ مواد پیش کرتے ہیں!

مسلمان لڑکا عیسائی باپ

ابن ابی العوام نے طحاوی سے اور انہوں نے جعفر بن احمد بن الولید سے، انہوں نے بشر بن الولید الکندی سے روایت کی ہے کہ:

"ایک آدمی امام ابو یوسفؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے کہا:"

میرا والد عیسائی ہے، اور بہت بوڑھا، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اسے کہیں سے آتے جاتے دیکھتا ہوں، اور راستے میں مڈبھیڑ ہو جاتی ہے، کیا اس کا ہاتھ پکڑ کر سہارا دے دیا کروں؟"

امام صاحب نے فرمایا،

"ہاں، ــــــ جب وہ کلیسا سے واپس آرہا ہو! لیکن جب جا رہا ہو تب نہیں"!"

فقیہہ کی مثال

حسن بن ابی مالک کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا،

"میں بیمار پڑا، اور اس بیماری نے میرے حافظہ پر چھاپا مارا، جو کچھ یاد تھا سب بھول گیا، ــــــ سوا فقہہ کے"!

سوال کیا گیا،

"یہ کیونکر؟"

ابو یوسفؒ نے کہا،

فقہہ کے سوا جو دوسرے علم میرے پاس تھے، ان کی بنیاد صرف قوت حافظہ تھی وہ جواب دے گئی تو یہ علم بھی جاتے رہے، اور علم فقہہ میرا جانا پہچانا علم تھا، اس علم میں میری مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کئی سال تک اپنے وطن سے غیر حاضر رہے، اس کے بعد آئے، تو کیا وہ اپنے گھر کا راستہ بھول جائے گا؟ قدم خود بخود اس طرف بڑھینگے!"

ایک فتویٰ

بشر بن الولید کہتے ہیں ایک مرتبہ ابو یوسفؒ نے فرمایا،

"کسی عورت کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنا سر اپنے غلام، یا اپنے بیٹے کے غلام، یا اپنے باپ کے غلام کے سامنے کھولے، اور اگر کوئی شخص اپنی ماں

کا سرد ہو وے، تو یہ اس کی سعادت مندی ہے" !

وزیر کی گواہی رد کر دی

موفق کی روایت کے مطابق، ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ نے، علی بن عیسیٰ کی شہادت ردگواہی، ———— جو وزارت کے منصب پر فائز تھے ———— رد کر دی کیونکہ انہیں معلوم ہوا تھا کہ یہ نماز با جماعت کے پابند نہیں ہیں،

اس واقعہ کے بعد عیسیٰ نے اپنے محل کے صحن میں ایک مسجد بنوائی اور پابندی کے ساتھ نماز باجماعت پڑھنے لگے،

ایک مرتدہ اور ابو یوسفؒ

حسن بن ابی مالک کہتے ہیں کہ ابو یوسفؒ کے پاس اصفہان کی ایک عورت لائی گئی جو مرتد ہو گئی تھی،

ابو یوسفؒ نے اسے دھمکی دی کہ وہ اگر تائب نہ ہوتی تو قتل کر دی جائے گی، اس طرح انہوں نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا جو ابو حنیفہ کے قول پر مبنی تھا، ابو حنیفہؒ کا قول مرتد عورت کے بارے میں یہ ہے کہ وہ قید کر لی جائے گی ———— !

وفات کے وقت ایک کھٹک

ابو بکر نعمانؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ،

" جب ابو یوسفؒ پر نزع کا عالم طاری ہوا، تو ہم ان کے سرہانے بیٹھے تھے ہم نے ان سے سوال کیا،

" کیا آپ موت کے خیال سے پریشان ہیں کچھ ؟"

انہوں نے جواب دیا،

" خدا کی قسم نہیں، ہاں مگر ایک بات ہے،"

ایک مرتبہ ایک عیسائی نے خلیفہ ہارون رشید پر میری عدالت میں دعویٰ کیا، میں نے رشید اور نصرانی دونوں کو طلب کیا،

خلیفہ ہارون رشید اس حالت میں آیا کہ اس کے لئے ایک مصلّٰی لایا گیا تھا جس پر وہ بیٹھ گیا،

میں نے ویسا ہی ایک متقی نصرانی کے سر منڈ کر اسے نہیں بٹھایا، بس یہ ایک کھٹک ہے میرے دل میں جو اپنے ساتھ لئے جا رہا ہوں، کاش ایسا نہ ہوا ہوتا!

ابو یوسفؒ کی عدالت میں خلیفہ پر دعویٰ

وکیع القاضی رقم طراز ہیں کہ:

" ابراہیم بن ابی عثمان یحییٰ بن عبد الصمد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مقدمہ موسیٰ کا امیر المومنین پر ابو یوسفؒ کی عدالت میں دائر کیا گیا، یہ ایک باغ کا جھگڑا تھا، مقدمہ بظاہر امیر المومنین کے حق میں تھا، لیکن درحقیقت امر واقعہ یہ نہیں تھا،

امیر المومنین نے سوال کیا،

"اس جھگڑے میں جو آپ کے سامنے پیش ہے آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟

مدعی نے کہا،

میں امیر المومنین کو اس بات کا حلف دینا چاہتا ہوں کہ ان کے گواہ سچ بولیں گے،

موسیٰ نے قاضی ابو یوسفؒ سے کہا،

آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں، کہ یہ شخص مجھے حلف دے گا؟

ابو یوسفؒ نے کہا،

ابن ابی لیلیٰ کا فتویٰ تو یہی ہے، اور میں اسی پر عمل کروں گا، !"

موسیٰ نے کہا،

"تو پھر میں باغ واپس کئے دیتا ہوں، !"(۱)

امام صاحب کی جرأت و بے خوفی

اس واقعہ سے امام ابو یوسفؒ کی جرأت، بے خوفی اور دلیری پر روشنی پڑتی ہے، یعنی عدل اور انصاف

---

(۱)۔ اخبار القضاۃ،

کے معاملہ میں وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے، خواہ وہ خلیفۂ وقت کیوں نہ ہو،

کتب تاریخ کا استقصاء

کتب تاریخ کا اگر استقصاء کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایسی بہت سی صحیح اور مستند روایتیں ہیں جو اس امر پر دال ہیں کہ قضا کے معاملہ میں امام صاحب نہ کسی کی رعایت کرتے تھے نہ کسی سے خوف کھاتے تھے، بلکہ جب ان کی عدالت میں کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا، تو راعی اور رعیت، غنی اور فقیر، ملوک اور رہزن، سب کو ایک ہی صف میں رکھتے تھے، یہی وہ چیز تھی جس نے ان کے مرتبہ کو بلند کر دیا تھا، اور اسلام میں قضا کا معیار بھی انہی امثال و روایات کی بنا پر رفیع ہو گیا۔

حریت نطق وکلام

اسلام نے حریت، آزادیٔ فکر اور آزادیٔ نطق وکلام کی جو روح اپنی امت میں پیدا کی تھی، وہ بہت جلد ضائع ہو گئی، لیکن اگر کسی نے اسے قائم اور باقی رکھا تو وہ علماء اسلام تھے، ہر طرح کے فاسد، لرزہ خیز، اور مہیب حالات میں بھی نہ ان کے قدموں میں لغزش ہوئی نہ ان کی زبان لڑکھڑائی، انہوں نے وہی کہا جسے حق سمجھا، اور وہی کیا جو ان کے نزدیک مبنی بر صواب تھا، خواہ تاریخ کتنے ہی مہلک اور خطرناک کیوں نہ ہوں،

امام ابو یوسفؒ بھی اسی قافلہ کے ایک فرد تھے، اور جب تک وہ زندہ رہے پوری صداقت اور خلوص کے ساتھ اس راستے پر گامزن رہے! ٭

•

قاضی کا منصب یہ ہے کہ بے لاگ فیصلہ کرے،

فقیہ کا کام یہ ہے کہ بے رو رعایت فتویٰ دے،

عام لوگوں کا فرض یہ ہے کہ، حق کے دامن سے وابستہ رہیں۔

•

امام ابو یوسف قاضی بھی تھے، فقیہہ بھی، اور عالم بھی، اور اپنی ہر حیثیت کو پورے وقار کے ساتھ انھوں نے نباہا، !

•

مجلس ابو حنیفہؒ سے ابو یوسفؒ کا انقطاع

ایک روایت اور اس کی تفصیل

زین بن نجیم (۱) اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"ابھی ابو یوسفؒ، ابو حنیفہؒ کی مجلس میں شریک نہیں ہوئے تھے، اور دوسرے فقہا کی مجلس میں حصول علم کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ابو حنیفہؒ نے ان کے پاس ایک آدمی بھیجا، اس نے ان سے پانچ سوالات کئے ــــــــــ"

ــــــــــ یہ سوالات صیمری اور خطیب وغیرہ نے بھی ذکر کئے ہیں

ــــــــــ وہ سوالات یہ تھے،

پہلا سوال

دھوبی نے کپڑے پھاڑ ڈالے اور جو پارچہ جات لایا وہ پھٹے ہوئے تھے، آیا اسے اجرت دی جائے گی یا نہیں؟

---

(۱) ملاحظہ ہو "الاشباہ والنظائر"

ابو یوسف نے جواب دیا ؛

"تنخواہ دی جائے گی"!

ابوحنیفہ کے بھیجے ہوئے شخص نے کہا۔

"تم نے غلط کہا"

ابو یوسف نے جواب دیا

"اچھا اُسے اجرت دے دی جائے گی"!

وہ آدمی جسے ابوحنیفہ نے بھیجا تھا گویا ہوا،

"یہ بھی غلط" ——

پھر اس نے بتایا،

"اگر کپڑے پھٹنے سے پہلے باقاعدہ اس پیشہ کو وہ کرتا تھا، تو اُجرت دی جائے گی ورنہ نہیں"!

دوسرا سوال

دوسرا سوال اس نے یہ کیا کہ :

"آیا نماز میں دخول فرض ہے یا سنت ؟"

ابو یوسف نے کہا،

"فرض ہے"!

وہ کہنے لگا،

"یہ غلط ہے"!

ابو یوسف نے کہا،

"تو پھر سنت ہے"!

وہ بولا،

"یہ بھی غلط"!

ابو یوسفؒ حیرت سے اسے دیکھنے لگے،

اس نے کہا،

"دونوں چیزیں (فرض وسنت) بیک وقت ہیں کیونکہ تکبیر فرض ہے، اور رفع یدین سنت ہے"!

تیسرا سوال

ابو حنیفہؒ کے بھیجے ہوئے آدمی نے سوال کیا،

ہانڈی چولہے پر چڑھی ہوئی ہے ایک چڑیا اڑتی ہوئی گذری اور کھولتی ہوئی ہانڈی میں گر گئی، اب اس ہانڈی کا گوشت اور شوربہ قابل استعمال ہے یا نہیں؟

ابو یوسفؒ نے کہا،

"کیوں نہیں استعمال کیا جائے گا"،

وہ شخص گویا ہوا،

"تم غلط کہتے ہو"!

ابو یوسفؒ نے کہا،

"اچھا نہیں استعمال کیا جائے گا ——————"!

وہ شخص بولا،

"یہ جواب بھی صحیح نہیں ہے —————"!

پھر اس نے بتایا،

"اگر سقوط طیر سے پہلے ہانڈی کا گوشت پک چکا تھا، تو اسے تین مرتبہ دھو ڈالا جائے گا اور کھا لیا جائے گا، اور شوربہ پھینک دیا جائے گا، —————

—————"!

چوتھا سوال

چوتھا سوال اس شخص نے ابو یوسف سے یہ کیا،

ایک مسلمان کی بیوی ذمی ہے وہ اس حالت میں مرگئی کہ حاملہ تھی، اب اسے کس کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا؟

ابو یوسف نے کہا،

"مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کی جائے گی وہ عورت"!

اس شخص نے کہا،

"غلط کہتے ہو"!

ابو یوسف نے کہا،

"اچھا اہل ذمہ کے قبرستان میں اسے دفن کیا جائے گا"!

وہ بولا،

"یہ جواب بھی غلط ہے"!

ابو یوسف حیرت سے اسے دیکھنے لگے پھر اس شخص نے کہا

"وہ عورت مقابر اہل یہود میں دفن کی جائے گی، لیکن اس کا رخ قبلہ کی طرف سے پھیر دیا جائے گا، یہاں تک کہ پیٹ میں جو بچہ ہے اس کا رخ قبلہ کی طرف ہو جائے، کیونکہ پیٹ میں جو بچہ ہے، اس کا منہ ماں کی پیٹھ کی طرف ہوتا ہے"!

پانچواں سوال

پھر اسی شخص نے ابو یوسف سے پوچھا،

"ایک شخص کی ام ولد (باندی) نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر ایک شخص سے شادی کرلی، اسی اثناء میں اس کے آقا کا انتقال ہوگیا، تو کیا اس پر آقا کی عدت واجب ہے؟

ابو یوسفؒ نے کہا۔

"واجب کیسے نہیں ہے"!

وہ شخص کہنے لگا،

"تم غلط کہتے ہو"!

ابو یوسفؒ نے کہا،

"اچھا واجب نہیں ہے"!

وہ گویا ہوا،

"یہ بھی غلط"!

پھر اس نے بتایا،

"اگر ام ولد کا شوہر اس سے جماع کر چکا ہے تو عدت واجب نہیں ہوگی، اور اگر نہیں کیا ہے تو واجب ہو جائے گی"!

اس سوال جواب کے بعد ابو یوسفؒ نے اندازہ کیا کہ وہ اب تک کتنے غلط راستوں پر بھٹکتے رہے ہیں چنانچہ پھر وہ ابو حنیفہؒ کی بارگاہ فیض میں پہنچ گئے،

ایک اہم نتیجہ

اوپر جو واقعہ مذکور ہوا ہے اس سے ایک اور حقیقت بھی نظر کے سامنے آجاتی ہے۔ یہ کہ اسی زمانہ میں جو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا زمانہ تھا، شاگرد اور استاذ کے درمیان کس طرح کے روابط ہوا کرتے تھے، استاذ کس طرح شاگرد کو راہ صواب پر گامزن کرتا تھا، اور شاگرد کس طرح ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد استاذ کے آستانے پہ آموجود ہوا کرتا تھا،؟ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا، یہی چیز تھی جس نے علم کی نشر و اشاعت میں غیر معمولی مدد دی تھی، اگر یہ جذبہ کارفرما نہ ہوتا تو شاید اس وسیع پیمانہ پر علم نہ پھیل سکتا، شاید اس کثرت کے ساتھ ایک ایک استاذ کے حلقہ سے ایسے شاگرد فارغ التحصیل ہو کر نہ نکلتے جو آگے چل کر بلکہ خود استاذ کی زندگی میں مرتبۂ اجتہاد و امامت پہ فائز ہو جاتے

کل اور آج کا یہ فرق ہے"!

اور اس فرق کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا،!
نگاہ غور سے دیکھا جائے تو یہ بہت بڑا غیر معمولی، اور بے حد اہم فرق ہے،!
حقیقت یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ اپنی شخصیت کے عجیب و غریب خصائص کے حامل تھے،
ان کی ساری زندگی علم نافع کا نہایت مکمل نمونہ ہے، ٭

تدوین مذہب امام ابو یوسف

ابو یوسفؒ اور محمدؒ کا مذہب، مذہب حنفی کس طرح بن گیا؟

زفرؒ بن الهذیل، ابو یوسفؒ اور محمدؒ بن الحسن گو امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد و رشید تھے، و دست راست تھے لیکن بایں ہمہ اصول اور فروع میں اپنے شیخ اور امام سے اختلاف رائے بھی رکھتے تھے، لیکن بایں ہمہ ان حضرات ثلثہ کے آرا کی تدوین کتب مذہب حنفیہ میں، آراء ابی حنیفہ ہی کے ساتھ ہوتی ہے، اور یہ سب مذہب ابو حنیفہ کے پیرو، اور مذہب حنفی کے ستون مانے جاتے ہیں حتی کہ یہاں تک ہے کہ مذہب حنفی میں کبھی فتویٰ ابو حنیفہ کی رائے پر ہے، کبھی زفر کی رائے پر، کبھی محمد کی رائے پر، کبھی ابو یوسف کی رائے پر، لیکن وہ فتویٰ کسی کی رائے پر بھی مبنی ہوا ہے حنفی

ایک ٹیڑھا سوال

یہ سوال بہت ٹیڑھا سا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ امیر مکہ، شریف سعد بن زید رحمہا اللہ نے شعبان ۱۰۸۵ھ میں اس مسئلہ پر اظہار رائے کرتے ہوئے کہا،

"آپ لوگ مذہب ابی حنیفہؒ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ اور ان کے صاحبین امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ ان میں سے ہر ایک مجتہد ہے، اور شرع کے اصول چہار گانہ،

کتاب،

سنت،

اجماع،

قیاس

کا ماہر اور رمز شناس ہو ان میں سے ہر ایک کا قول، ایک مستقل حیثیت کا حامل ہے، پھر آپ ان مذاہب ثلاثہ کو، جو جداگانہ اور منفرد اور مستقل حیثیت رکھتے ہیں، مذہب واحد کس طرح قرار دیتے ہیں؟ اور یہ کیونکر کہہ دیتے ہیں کہ یہ سارے فتوے مذہب حنفی کے مطابق ہیں؟ اور جو شخص امام محمدؒ یا امام ابو یوسفؒ کی تقلید کرتا ہے، اسے حنفی کس بنیاد پر قرار دے دیتے ہیں؟ حالانکہ حنفی صرف وہ کہا جا سکتا ہے جو امام ابو حنیفہؒ کا مقلد ہو،

"الجواب الشریف"

اس سوال کا جواب بڑا اہم تھا، جواب شیخ عبدالغنی نابلسی نے، جو فقہائے حنفیہ میں سے تھے دیا، بلکہ اس موضوع پر ایک پورا رسالہ قلمبند کر دیا جس کا نام ہے،

"الجواب الشریف للحضرۃ الشریفۃ فی ان مذہب ابی یوسف، ومحمد، ہو مذہب ابی حنیفہ!"

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جو آراء ابو یوسفؒ، یا محمدؒ یا زفرؒ کی طرف منسوب ہیں، ان پر ابو حنیفہؒ کی مہر تصدیق ثبت ہو چکی ہے، اور وہ درحقیقت روایات ابی حنیفہؒ کی حیثیت رکھتی ہیں، لہٰذا ان اصحاب ثلاثہ کے اقوال ابو حنیفہ ہی کے اقوال مانے جائیں گے، لہٰذا ان کے اقوال کو اور ان کے مسلک کو حنفی قرار دینا بالکل جائز اور درست ہے،

ابو حنیفہؒ سے ابو یوسفؒ کی علیحدگی

ایک قول امام صاحب کے بارے میں یہ ہے، (۱)

"ابو حنیفہؒ سے انفراد ابی یوسفؒ کا سبب یہ تھا کہ ایک مرتبہ وہ بیمار پڑے، امام ابو حنیفہؒ ان

---

(۱) مناقب الکردری۔

کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور فرمایا۔

" اپنے بعد مسلمانوں کے لئے میں تم ہی کو چھوڑ جاؤں گا "

ابو یوسف جب صحت مند ہوئے تو ابو حنیفہؒ کا یہ قول انہیں یاد آیا، اور ان کے اندر عجب و خود پسندی کا مادہ پیدا ہو گیا، چنانچہ انہوں نے خود ایک مجلس املائی قائم کر دی، پھر کچھ روز بعد، جب وہ امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو امام صاحب نے ان سے فرمایا۔

" سبحان اللہ اس شخص کا کیا کہنا ہے جو اللہ کے دین کے مسائل و احوال میں گفتگو کرتا ہے، خود اپنی ایک مجلس قائم کر لیتا ہے، لیکن اجارہ کا مسئلہ بھی ٹھیک سے نہیں جانتا ——————

——————— "

اس کے بعد فرمایا

" جو شخص اپنے آپ کو تعلم سے مستغنی اور بے نیاز تصور کر لیتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے حال زبوں پر آنسو بہائے "

مدارج فقہیہ

لیکن یہ اور اس طرح کی دوسری باتیں ابو یوسف کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتی ہیں ان سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ بعد میں بھی وہ مرتبۂ اجتہاد پر فائز نہیں ہوئے، نہ ان باتوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ صرف مجتہد فی المذہب تھے، اصل بات یہ ہے کہ متعدد مراحل میں رفتہ رفتہ اور آہستہ آہستہ انہوں نے مدارج فقہ طے کئے، آغاز حیات اور عہد شباب میں بلاشبہ ان میں کمزوریاں بھی تھیں اور کوتاہیاں بھی، عجب بھی، اور خود پسندی بھی لیکن یہ دور ہمیشہ نہیں قائم رہا جیسے جیسے ان کی عمر بڑھتی گئی، ان کا علم جامع ہوتا گیا، ان کی نظر وسیع ہوتی گئی، ان کے مطالعہ، تحقیق، اور تفحص میں بصیرت اور فراست کی کار فرمائی شامل ہوتی گئی، وہ پختہ ہوتے گئے، ان کا علم پختہ تر ہوتا گیا،

یہاں تک کہ ایک ایسا دن آیا کہ وہ حقیقی معنی میں اپنے امام اور شیخ کے جانشین صادق بن گئے،

ایک عامۃ الورود بات

اور عُجب و اغترار سے متعلق ابو یوسفؒ کی یہ لغزشیں، کچھ نئی اور منفرد نہیں ہیں، اوائل عمر میں ہر بڑے آدمی کے ساتھ تقریباً یہی کیفیت اور صورت گذرتی ہے، اور پھر بعد میں جب وہ پختہ تر ہو جاتا ہے، تو یہ لغزشیں کافور ہو جاتی ہیں،

یہ دور سب پر گذرا ہے

چنانچہ خود امام اعظم، ابو حنیفہؒ کے حالات و سوانح کا اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ عہد شباب میں وہ بھی اسی دور سے گذرے تھے، ان کے اور ان کے استاذ جلیل، حماد بن ابی سلیمان کے مابین ایسی صورت پیدا ہوگئی کہ گویا بالکل انقطاع ہوگیا، ابو حنیفہؒ نے ان کی مجلس میں آنا جانا چھوڑ دیا، لیکن یہ کیفیت ہمیشہ نہیں قائم رہی، ایک دن ایسا آیا کہ امام اعظم اپنے استاذ، اور شیخ کی بارگاہ میں پھر پہنچے اور پھر اس وقت تک ان کے دامن علم سے وابستہ رہے، جب تک ان کی وفات نہیں ہوگئی، (۱) اور پھر عمر اور علم کی پختگی کے ساتھ ساتھ، فہم و خرد اور دانش و بینش کا مادہ بڑھتا گیا، اور بعد میں پھر کبھی کوئی ایسی صورت نہیں پیدا ہوئی، جو بدمزگی یا تلخی کا سبب بن سکتی، ایسا ہی معاملہ ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے مابین بھی گذرا،

ابو یوسفؒ مجتہد مستقل تھے

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ پر اٹل ہے کہ امام ابو یوسفؒ مجتہد مستقل تھے، وہ اصول و فروع میں اپنی بصیرت کے مطابق اپنے شیخ اور امام سے اختلاف بھی کرتے تھے، لیکن بایں ہمہ چونکہ ان کے اور ان کے استاذ کے مابین معاملہ افہام و تفہیم کا رہتا تھا، اس لئے اختلاف اصولی اور فروعی کے باوجود، بالآخر، دونوں اپنی بصیرت سے کبھی ایک مسئلہ پر متفق ہو جاتے تھے، کبھی اختلاف قائم رکھتے تھے، لیکن چونکہ مدرسہ فکر ایک تھا اس لئے اتفاق ہو یا اختلاف "من و تو" کا فرق ختم ہو چکا تھا،

---

(۱) ہم نے اس جگہ تفصیل کے بجائے اجمال سے کام لیا ہے، لیکن جسے تفصیل مطلوب ہو، ابن قتیبہ کی کتاب

"لفت اللفظ الی ما فی الاختلاف فی اللفظ"

دیکھ سکتا ہے، جس میں ابو الشیخ کی "تاریخ اصفہان" سے یہ واقعہ منقول ہے۔

ابوحنیفہ سے اختلاف نہیں

ابن ابی العوام محمد بن احمد بن حماد سے وہ محمد بن شجاع سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حسن بن مالک اور عباس بن الولید اور بشر بن الولید، اور ابو علی الرازی سے سنا وہ کہتے تھے:

"ہم نے ابو یوسفؒ سے سنا کہ وہ کہتے تھے، میرا کوئی ایسا قول نہیں ہے، جو ابو حنیفہؒ کے قول کی مخالفت پر مبنی ہو، بجز اس صورت کے کہ خود ابو حنیفہؒ نے پہلے وہ بات کہی ـــــ، بعد میں اس سے رجوع کر لیا۔" ! "

رائے امام پر فیصلہ

کروری، نیشاپوری سے روایت کرتے ہیں!

"جب ابو یوسفؒ مرتبۂ قضا پر فائز ہوئے تو ایک مرتبہ ان کے پاس امام ابو حنیفہؒ کے پوتے اسماعیل بن حماد تشریف لائے، اس اثنا میں ایک مقدمہ پیش ہوا، ابو یوسفؒ نے رائے امام پر فیصلہ کر دیا۔"

اسماعیل نے کہا،

"آپ تو اس مسئلہ میں امام (ابو حنیفہ) صاحب سے اختلاف رائے کیا کرتے تھے، ! ؟"

ابو یوسفؒ نے جواب دیا،

"ہاں ہم اختلاف کرتے تھے لیکن اس لئے کہ ان سے استخراج علم کر سکیں، ویسے امام کی رائے امام کی رائے ہے جس سے اختلاف کیسا ؟"

اسی طرح کا قول، امام محمدؒ سے بھی منسوب ہے۔

ابوحنیفہ سے ایک مناظرہ

ابو سلیمان الجوزجانی محمد بن الحسن سے روایت کرتے ہیں کہ:

"ایک مرتبہ ابو حنیفہؒ بغداد آئے، ان کے تمام اصحاب حاضر خدمت ہوئے، جن میں ابو یوسفؒ، زفرؒ، اسد بن عمروؒ، اور ان کے اصحاب میں سے عامہ فقہاء، و متقدین شامل تھے، ان لوگوں نے ایک مسئلہ حجاج (بن ارطاۃ) سے

حاصل کیا تھا، اب اس کی تنقیح و تقویم ابوحنیفہؒ سے کرلینا چاہتے تھے، چنانچہ ان میں سے کچھ لوگوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اس بارے میں سوال کیا، امام صاحب نے جو جواب دیا وہ ان کی رائے کے خلاف تھا، چنانچہ لوگوں کی حلقہ سے آواز بلند ہوئی،

"اے ابوحنیفہؒ، کیا غریب الوطنی نے آپ کو بلند بنا دیا ہے؟"

امام صاحب نے فرمایا،

"ٹھہرو، ٹھہرو" ——————— کیا کہتے ہو تم؟"

لوگوں نے کہا،

"آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ غلط ہے"!"

دلیل

امام صاحب نے فرمایا،

"تمہارا یہ قول دلیل پر مبنی ہے یا بغیر دلیل کے ہے؟"

جواب دیا،

"دلیل پر مبنی ہے"!

امام صاحب نے فرمایا،

"تو آؤ مناظرہ کرلو"

مناظرہ شروع ہوا تو امام صاحب سب پر غالب آگئے، اور حجاج کا قول بالکل رد کر دیا، اب تو یہ لوگ نادم ہوئے، اور اپنی غلطی محسوس کرلی، امام صاحب نے پوچھا،

"کیوں، اب کیا کہتے ہو؟"

"ہم غلطی پر تھے"

انہوں نے کہا،

امام صاحب نے فرمایا،

"اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جس کا خیال ہے کہ تمہارا پہلا قول صواب پر مبنی تھا، اور یہ نیا قول غلطی پر مبنی ہے؟

لوگوں نے کہا،

"یہ کیسے ہو سکتا ہے، ثابت ہو چکا کہ وہ قول غلط تھا، اور یہ قول صحیح ہے، ——— ———!"

اب پھر امام صاحب نے مناظرہ شروع کیا، اور پہلے قول کو صحیح اور دوسرے قول کو غلط ثابت کر دیا،

یہ لوگ چیخ اٹھے،

"آپ نے ہم پر بہت بڑا ظلم کیا، حالانکہ صواب ہمارے ساتھ تھا مگر آپ نے اسے نہ مانا!"

امام صاحب نے فرمایا،

تیسرا قول

"اچھا اس شخص کے بارے میں کیا کہو گے جو کہتا ہے کہ پہلا قول بھی غلط تھا، یہ دوسرا بھی غلط ہے، ایک تیسرا قول ہے جو درست ہے ——— ؟"

لوگوں نے کہا،

"نہیں ہو سکتا!"

امام صاحب نے فرمایا،

"اچھا سنو!"

اور اس کے بعد، ایک تیسرا قول گذشتہ دونوں اقوال سے زیادہ مدلل اور مبرہن پیش کر کے گذشتہ دونوں قول غلط ثابت کر دیئے،

لوگ قائل ہو گئے،

"آپ بجا فرماتے ہیں بات یونہی ہے!"

انحار نکتہ

امام صاحب نے فرمایا،
لیکن درحقیقت صحیح پہلا ہی قول تھا، اور اس کی دلیلیں یہ ہیں

——— اور یہ مسئلہ زیر بحث ان انحار نکتہ سے باہر نہیں جا سکتا، اور ہر پہلو کے ساتھ کچھ دلیلیں بھی ہیں لیکن اصل قول وہی پہلا ہے، لہٰذا اسے قبول کر لو، اور باقی اقوال کو رد کر دو۔"

ابو حنیفہؒ کا انداز تدوین و تمرین

یہ تھا امام ابو حنیفہؒ کا انداز تدوین و تمرین اپنے اصحاب ... کے ساتھ، چنانچہ اپنے اصحاب کے ساتھ اس تذکیر کی بنیاد پر مسائل خلافیہ کا بڑا حصہ جو مسائل ابو یوسفؒ و محمدؒ پر مشتمل ہے اس امر کا مانع نہیں ہے کہ اس کا اطلاق مذہب حنفی پر کیا جائے۔

ابو حنیفہؒ آثار کی جستجو کرتے تھے

حسن بن ابی مالکؒ، ابو یوسفؒ سے روایت کرتے ہیں کہ جب کوئی مسئلہ امام ابو حنیفہؒ کے سامنے پیش کیا جاتا تھا تو وہ فرماتے تھے :

"اس مسئلہ میں کچھ آثار بھی ہیں تمہارے پاس ہ؟"

پھر ہم آثار ان کے سامنے پیش کرتے اور اپنی رائے پیش کرتے، وہ بھی اپنی رائے پیش کرتے اور جو آثار ان کی نگاہ میں ہوتے انہیں پیش کرتے، پھر جس طرف آثار کی کثرت ہوتی، اسے قبول کر لیا جاتا، یا اگر ایک طرف آثار زیادہ ہوتے، دوسری طرف کم، یا دونوں طرف برابر ہوتے، تو پھر ان کا قول آخری ہوتا!

ابو حنیفہؒ کی نصیحت

امام ابو حنیفہؒ اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے :

"کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ میرے قول پر تکیہ کرے، یا اسے پیش کرے، جب تک یہ نہ جان لے کہ میرا وہ قول کس بنیاد پر ہے ؟ کہاں

لیا گیا ہے؛

یہی وہ انداز و اسلوب تھا جس نے فقہ حنفی کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا، اور ساری دنیا اس کے سامنے سرنگوں ہوگئی، !

عام طور پر سلاطین و خلفاء کے دربار میں علماء کا رویہ یا یہ ہوتا ہے کہ ہاں میں ہاں ملاتے ہیں، یا اعلاء کلمۃ الحق اس زور شور سے کرتے ہیں کہ اصلاح کا امکان باقی نہیں رہتا،

امام ابو یوسفؒ نے بین بین راستہ اختیار کیا،

انہوں نے خلفاء کی مجالست کی، اور انہیں راہ صواب پر بڑی حد تک گامزن رکھا،

ابو یوسف اور خلفاء

چند اہم اور قابلِ ذکر واقعات

اب ہم اختصار کے ساتھ اس تعلق پر روشنی ڈالیں گے جو امام ابو یوسفؒ اور بعض خلفاء کے مابین تھا، کہ بغیر اس کے امام ابو یوسفؒ کی سیرت صحیح طور پر اجاگر نہیں ہو سکے گی۔

ابو یوسفؒ کا امتحان

یحییٰ بن خالد جو وزیر خلافت تھا، اس نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ ابو یوسفؒ سیر ملوک ماضیہ اور اخبار امم سابقہ اور ایام عرب سے تیز ان معارف سے بھی جن کی احتیاج عہد حاضر کی زندگی کو ہے، واقف ہیں یا صرف فقہ و حدیث ہی تک ان کا علم محدود ہے۔

ابو یوسفؒ نے یہ بات محسوس کر لی، اور اس کے بعد جب بھی یحییٰ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے حدیث و فقہ کے بجائے مذکورہ موضوعات پر گفتگو کی، اور وہ بھی اس جامعیت کے ساتھ کہ وہ دنگ رہ گیا، اور ان کی ذکا، معرفت، قوت حافظہ اور وسعت اطلاع کا کلمہ پڑھنے لگا، اور آخر اس رائے پر پہنچا کہ امام ابو یوسفؒ در اصل انہی علوم کے حامل ہیں، فقہ و حدیث میں جو دستگاہ رکھتے ہیں، وہ ضمنی ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ امام صاحب کے اجلال و اکرام میں پیش پیش رہنے لگا، جیسا کہ کتب تاریخ میں اس طرح کے بہت سے واقعات ملتے ہیں۔

ہارون پر برسرِ منبر اعتراض

سعید بن عثمان الزیات اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، :

" ایک مرتبہ جمعہ کے روز، مدینہ ابی جعفر میں ایک شخص ہارون کے

سامنے کھڑا ہوا تھا جبکہ وہ منبر پر خطبہ دے رہا تھا، اس شخص نے ہارون سے کہا،

"خدا کی قسم تم تقسیم دولت میں مساوات کو ملحوظ نہیں رکھتے، نہ رعیت کے ساتھ عدل کرتے ہو، تم نے یہ کیا، اور وہ کیا، !"

ہارون کے حکم سے وہ شخص فوراً گرفتار کر لیا گیا اور نماز جمعہ کے بعد اس کے حضور میں پیش کیا گیا، ہارون نے مجھے (ابو یوسفؒ کو) بلایا، وہ جب پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ شخص ہتکڑی بیڑی میں جکڑا کھڑا ہے، جلاد اس کے سر پر کوڑے لئے کھڑے ہیں، ہارون میری (ابو یوسف کی) طرف متوجہ ہوا، اور اس نے کہا،

ہارون کی برہمی

"اے یعقوب، اس شخص نے مجھ سے ایسی باتیں کہی ہیں جو آج تک کسی کو کہنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی!"

ابو یوسفؒ کا کلمۂ حق

میں نے کہا،

امیر المومنین تو اس میں کون سی بات ہوگئی ، ؟ اسی طرح کی باتیں تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی کی گئی ہیں اور آپ نے معاف کر دیا ہے اور درگزر سے کام لیا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کو قسم دی،

"میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ عدل کیجئے" !"

آپ نے جواب میں فرمایا،

"اگر میں عدل نہ کروں گا تو کون کرے گا؟"

اور اسے معاف فرما دیا،

ایک مرتبہ اس سے بھی زیادہ سنگین واقعہ ہوا، زبیرؓ اور ایک انصاری مدعی اور مدعا علیہ بن کر آپ کی خدمت میں پہنچے، آپ نے زبیرؓ کے حق میں فیصلہ کر دیا،

اس پر انصاری نے کہا،

"یا رسول اللہ کیا یہ فیصلہ آپ نے اس لیے کیا ہے کہ زبیر آپ کی پھپھی کے بیٹے ہیں؟"

آپ نے یہ سنا اور معاف کر دیا۔

میری یہ باتیں اور مثالیں سن کر ہادی کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور اس نے رہائی کا حکم صادر کر دیا۔

ذمّی کے بدلے میں مسلمان کا قتل

اگر کوئی مسلمان عمداً، بغیر کسی جائز وجہ کے کسی ذمّی دغیر مسلم، کو قتل کر دے، تو امام ابو یوسفؒ اس کے قتل کا فیصلہ صادر کر دیتے تھے،

چنانچہ بعض شاعروں نے امام ابو یوسفؒ کی ہجو میں اشعار کہے کہ یہ ایک کافر کے بدلے میں ایک مسلمان کو قتل کرا دیتے ہیں، اور رشید سے اپیل کی گئی کہ وہ اس طرح کے احکام ساقط کر دے،

- لیکن امام صاحب اپنے مسلک پر قائم رہے۔

ابو یوسف کی عظمت ہارون کی نظر میں

ابن عبداللہ کہتے ہیں؛

"قاضی القضاۃ ابو یوسفؒ تین خلفاء کے عہد میں اپنے منصب پر فائز رہے، مہدی، ہادی، رشید،

رشید امام صاحب کا بہت زیادہ اجلال و اکرام کرتا تھا،

فقیہ اعظم اور حافظ حدیث

ابن جریر ابن عبدالبر روایت کرتے ہیں؛

"امام ابو یوسفؒ بہت بڑے فقیہ، بہت بڑے عالم اور بہت بڑے حافظ حدیث تھے،"

یحییٰ بن معین کی نظر میں ابو یوسفؒ کی عظمت

ابن عبدالبر کا قول ہے؛

"یحییٰ بن معین امام ابو یوسفؒ کی جلالتِ شان کے بہت زیادہ معترف اور ثناخواں تھے، وہ ان کا ذکر بہت اچھے الفاظ میں کیا کرتے تھے،

وہ انہیں ثقہ اور عدول تسلیم کرتے تھے، حالانکہ اہل حدیث کا بہت بڑا گروہ ان کے ساتھ اور نہ صرف ان کے ساتھ، بلکہ ابو حنیفہؒ اور اصحاب ابو حنیفہ کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جو ایک دشمن کے ساتھ کیا جاتا ہے"!"

ابن عبدالبر

ابن عبدالبر نے مشرق کا سفر نہیں کیا تھا، چنانچہ مشارقہ کے اکثر اقوال ان کی نظر میں نہیں تھے، لیکن اس موقع پر ان کی نقل و بیان سے کوئی فائدہ نہیں'

ناقابل تردید حقیقت

اگرچہ نکتہ چینیوں اور قدح کرنے والوں کی بھی کمی نہیں، لیکن یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے اپنے علم و فضل، دقت نظر اور بلند پایہ اجتہاد کا ایسا سکہ اپنے معاصرین پر بٹھا دیا تھا کہ کسی کو ان کی عظمت و مرتبت کے اعتراف کے سوا کوئی اور چارہ نہیں تھا، اور امام صاحب کی عظمت و مرتبت کا یہی سب سے بڑا اور ناقابل انکار ثبوت ہے، ان کا علم اتنا وسیع تھا، اور وہ دلائل و براہین کے اسلحہ سے اس طرح مسلح رہتے تھے کہ جو شخص بھی ان کا حریف بن کر میدان میں آتا تھا، اسے شکست سے دوچار ہونا پڑتا تھا، جو بھی ان پر نکتہ چینی کرتا تھا اسے جواب فوراً مل جاتا تھا، جو بھی ان کے کمال کے اعتراف میں سستی کرتا تھا اسے پشیمان ہونا پڑتا تھا،

مخالج وتدابیر فقہیہ

تخلیص من المآزق

اسلام "دین یسر" ہے، اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ الفاظ کی آڑ لے کر، اور روح کو نظر انداز کر کے انسان کو اس طرح جکڑ دیا جائے کہ پھر اس کے لئے خلاصی کا کوئی راستہ باقی نہ رہے،

فقہ حنفی کا مابہ الامتیاز

سچ پوچھئے تو فقہ کا مابہ الامتیاز یہی ہے کہ وہ اسلام کے اصول اور تعلیم کی نگہبانی کرتی ہے، اور اپنے اجتہادات میں انسانی مجبوریوں اور معذوریوں کو پورے طور پر ملحوظ رکھتی ہے، اور جہاں تک ممکن ہو سکتا ہے اصول اور بنیاد سے روگرداں ہوئے بغیر ایسے وسائل مہیا کرتی ہے کہ ایک شخص ان سے بہرہ ور ہو سکے، اور سکون و یکسوئی کے ساتھ اپنے مذہب کے احکام و ہدایات پر عمل کر سکے،

ظاہر ہے یہ طرز عمل مذہب سے فرار نہیں ہے، نہ اسے مذہب کی روح کے منافی قرار دے سکتے ہیں، نہ یہ مذہب سے بغاوت ہے، بلکہ اگر غور کیا جائے تو ماننا پڑے گا، یہ مذہب کی بہت بڑی خدمت ہے ———— جمعہ بمکتب آورد طفل گریز پائے را،

———— !"

غلط اعتراض

لیکن بعض حضرات نے جن کا شمار بہرحال اصحاب علم میں ہوتا ہے، فقہ حنفی کو عام طور پر، اور امام ابو یوسفؒ کو خاص طور پر اس سلسلہ میں ملعون کیا ہے، اور ان پر طرح طرح کے الزامات لگائے ہیں، سب سے بڑا اور سنگین الزام یہ ہے کہ ان حضرات نے دنیا کو دین پر ترجیح دی ہے، اور ایسے فقہی حیلے ایجاد کئے ہیں جن سے کام لے کر انسان قانون کو دھوکا دے سکتا ہے سزا سے بچ سکتا ہے، ٹیکس (زکوٰۃ) سے محفوظ رہ سکتا ہے، اور دوسری پابندیوں سے اپنے آپ کو محفوظ اور بری رکھ سکتا ہے۔

لیکن اگر نگاہ تحقیق سے دیکھا جائے تو یہ اعتراض سراسر غلط فہمی یا غلط بیانی پر مشتمل ہے، اسے حقیقت سے دور کا بھی تعلق اور واسطہ نہیں، فقہ حنفی کے کسی امام نے عام طور پر، اور ابو یوسفؒ نے خاص طور پر کبھی کوئی ایسا فتویٰ نہیں دیا، ہاں ویسر (؟) کو یعنی عوام کی سہولت اور آسانی کو ضرور پیش نظر رکھا، اور ایسا کرنا ان کے ذاتی اجتہاد، اور رائے، اور فیصلہ پر مبنی نہیں تھا، بلکہ حامی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات پر مبنی تھا،

ایک اہم فرق

ائمہ احناف اور دوسرے ائمہ فقہ میں ایک بہت بڑا، اہم، اور بنیادی فرق یہ ہے کہ وہ صرف الفاظ کو دیکھتے ہیں، اور اسی بنیاد پر فیصلہ کر دیتے ہیں، اس کے برعکس یہ حضرات الفاظ کو بھی دیکھتے ہیں اور معنی پر بھی نظر رکھتے ہیں، پھر لفظ و معنی کے مابین جو اصل مقصد کا فرق ہوتا ہے اسے بھی پیش نظر رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے فتووں میں جو وسعت اور جامعیت ہے وہ دوسری جگہ نہیں ملتی،

لوگوں کو زحمت سے بچانا

امام ابو یوسفؒ کی طرف بہت سے حیل منسوب ہیں، جن کا مقصد تخلیص الناس من الحرج، یعنی لوگوں کو زحمت سے بچانا تھا،

ذہبی کہتے ہیں،

"ایسا حیلہ جو تشریع احکام میں کسی حکم شرعی کو ختم کر دینے کا موجب ہو، اس شخص سے صادر ہو سکتا ہے، جس کا دین ضعیف، اور جس کا یقین (ایمان) کمزور ہو، لیکن، تنگی، زحمت اور

پریشانی سے، کسی حیلہ کی مدد سے اس طرح نکلنا کہ ابطال حق نہ ہوتا ہو، احقاق باطل نہ ہوتا ہو، تدابیر لطیفہ پر مبنی ہو، نصوص شرعیہ سے متصادم نہ ہوتا ہو، نہ صرف جائز بلکہ مستحق ہے، اللہ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسندیدہ قرار دیا ہے، سلف وخلف سب اس پر عامل رہے ہیں، "!

ائمہ احناف کا مسلک

امام ذہبی کے ان خیالات عالیہ سے کوئی دانشمند بھی انکار نہیں کر سکتا، حقیقۃً شرع شریف کی روح یہی ہے کہ حق کا دامن تھامے ہوئے اور بنیادی اصولوں سے استمساک کرتے ہوئے ایسی صورت اختیار کی جائے جس سے لوگ زحمت سے بچ جائیں اور دین پر قائم رہتے ہوئے ایسی سہولتیں حاصل کرلیں جو ان میں دین سے بددلی، اعراض، اور بیزاری پیدا کرنے کی موجب نہ ہوں، ائمہ احناف نے اس علم کو سمجھ لیا تھا اور وہ اپنے اجتہادات میں اس اصول کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے تھے،

امام ابو یوسف رحؒ پر نظر عنایت

لیکن اس سلسلہ میں امام ابو یوسف کو خاص طور پر ہدف مطاعن بنایا گیا ہے، چنانچہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ ابو یوسف رحؒ کو ہارون رشید کے دربار میں بار اسی کمال کے باعث ملا، انہوں نے اس کی مرضی کے مطابق حیل شرعی بتائے اس نے انہیں قاضی القضاۃ کا منصب سونپ دیا،

لیکن یہ صریح کذب ہے، اس لئے کہ امام ابو یوسف رحؒ کو یہ منصب خلیفہ مہدی نے سونپا تھا، اس کے انتقال کے بعد زمام خلافت ہادی کے ہاتھ میں آئی، اس نے بھی اس منصب پر قائم رکھا، ہادی کے انتقال کے بعد، رشید منصب خلافت پر متمکن ہوا، اس نے بھی کوئی تبدیلی نہیں کی، اس کے عہد میں بھی امام صاحب اسی منصب پر فائز رہے، سمعانی وغیرہ نے بسط وتفصیل کے ساتھ یہ حکایت بیان کی ہے۔

امام ابو یوسف رحؒ کی دلیری

پھر امام صاحب نے کتاب الخراج، کا جو مقدمہ لکھا ہے، اور جس دلیری وجرات کے ساتھ خلیفۂ وقت کو نصیحت اور موعظت کی ہے اسے خدا سے ڈرایا ہے، ظلم سے روکا ہے، خلق خدا کے ساتھ نرمی اور ملاطفت کا برتاؤ کرنے کی تلقین کی

کی ہے عدل پر زور دیا ہے، احسان کی تاکید کی ہے، حسن سلوک کی ترغیب دی ہے، وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ صرف خدا سے ڈرتے تھے، اور چونکہ خدا سے ڈرتے تھے اس لئے دوسروں کو ——— خواہ ان کا مرتبہ کتنا ہی بلند و رفیع کیوں نہ ہو ——— خدا سے ڈراتے بھی رہتے تھے،

ایسی گراں قدر ہستی کو اتہامات اور الزامات کا ہدف بنانا نہ قرین دانش تھا، نہ قرین صواب،

افتاء ابو یوسف رح

خطیب نے بہ طریق معافی النہروانی افتاء ابو یوسف رح کا ذکر کیا ہے، جو انہوں نے ام جعفر کے لئے اس کی مرضی کے مطابق دیے تھے،

اس سند میں ایک راوی حسین بن القاسم الکوکبی بھی ہے، جو "اجاری" کے نام سے معروف ہے، اور مناکیر میں کثیر الانفراد مانا جاتا ہے،

"ابن حجر "لسان" میں اس کے بارے میں کہتے ہیں":

یہ اسانید جیاد میں مناکیر شامل کر دیتا ہے"! "

معافی نے محمد بن الحسن ابن زیاد النقاش سے بھی اس سلسلہ میں روایت کی ہے، جو مشہور کذاب ہے؟

معافی نے محمد بن ابی الازہر حسب روایت ابو یوسف رح کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے کہ ایک لونڈی آدھی بیچی جا سکتی ہے اور آدھی ہبہ کی جا سکتی ہے،

یہ فتویٰ اس لئے دیا گیا تھا کہ ہارون رشید جس باندی کو لینا چاہتا تھا اس کے مالک نے قسم کھائی تھی، نہ میں اسے ہبہ کروں گا، نہ بیع کروں گا، نصف ہبہ اور نصف بیع کے بعد، وہ حانث نہ ہوا، اور رشید کے پاس باندی پہنچ گئی،

خطیب اور ابو الازہر

خود خطیب ابو الازہر راوی کے بارے میں کہتے ہیں (۱)

"وہ بڑا جھوٹا تھا، اس کا جھوٹ ظاہر و نمایاں ہے"! "

ایسے راوی پر اعتبار کر لینا، اور اس کی روایت کو درخور اعتنا سمجھ لینا صرف عصبیت ہی کا مظاہرہ ہو سکتا

---

(۱) - ج ۲ - ص ۲۸۸ ،

ہے۔

ایک اور غلط الزام

حمیدی کی روایت ہے کہ امام ابو یوسفؒ تیمیوں کا مال مضاربت[1] پر دے دیا کرتے تھے، تاکہ اس سے جو نفع ہو اس سے خود فائدہ اٹھائیں، اس روایت کی سند میں احمد بن علی الابار کا نام ہے، سب جانتے ہیں کہ یہ شخص ابو حنیفہؒ اور اصحاب ابو حنیفہؒ سے سخت تعصب رکھتا تھا، اور یہ مسلّم اصول ہے کہ متعصب اور مخالف اور دشمن کی روایت نہیں قبول کی جاتی، اس مبحث پر استاذ ابو زہرہ نے بہت کافی اور شافی بحث کی ہے، لیکن ہم اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

---

(۱) مضاربت تجارت و کاروبار کا ایک طریقہ ہے، ایک شخص روپیہ لگاتا ہے دوسرا محنت کرتا ہے، اس روپے اور محنت کا پھل دونوں آپس میں ساجھی کی حیثیت سے تقسیم کر لیتے ہیں، یہی مضاربت ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

آدمی کی بڑائی اور عظمت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ایک حلقہ اسے امام کبیر تسلیم کرے، اور دوسرا گروہ اسے سہام تعریض وطعن بنالے،

مخالفت اسی کی ہوتی ہے، جس میں کچھ جوہر ہو،

امام ابویوسف رح صاحب جوہر تھے، صاحب رائے تھے، امام جلیل تھے،

وفات امام ابو یوسفؒ

"آج فقہ کا انتقال ہو گیا!"

ابن ابی العوام، محمد بن احمد بن حماد سے وہ احمد بن القاسم البرتی سے، وہ بشر بن الولید سے روایت کرتے ہیں:-

بشر کی روایت

"ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم القاضی رحمۃ اللہ علیہ جمعرات کے روز ظہر کے وقت ماہ ربیع الاول ۱۸۲ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے"! "

تعزیت باہمی

خطیب نے برقانی سے، انہوں نے عبدالرحمان الخلال سے، انہوں نے محمد بن احمد ابن یعقوب سے، اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ میں نے شجاع بن مخلد کو کہتے ہوئے سنا،:

"ہم قاضی ابو یوسفؒ کے جنازہ میں شریک ہوئے، ہمارے ساتھ عباد بن عوام بھی تھے،

"میں نے سنا عباد کہہ رہے تھے:"

"آج چاہئے کہ اہل اسلام ایک دوسرے سے ابو یوسفؒ کی تعزیت کریں"! "

معروف کرخی اور ابو یوسفؒ

ابن ابی العوام طحاوی سے، اور وہ ابن ابی عمران سے، وہ داؤد بن رہیب سے روایت کرتے ہیں کہ ہم سے عبدالرحمان

القواس نے ــــــــــــ ابن ابی عمران کہتے ہیں کہ میں نے ابن الثلجی سے سنا ہے کہ سارے بغداد میں القواس سے افضل کوئی نہیں ــــــــــــ کہا کہ مجھ سے معروف کرخیؒ نے پوچھا،

"ابو یوسفؒ کا کیا حال ہے ؟"

میں نے جواب دیا،

"بیمار ہیں!"

وہ کہنے لگے۔

"اگر حادثہ واقع ہوجائے (یعنی وہ وفات پا جائیں) تو مجھ سے چھپانا نہیں، فوراً خبر کرنا ــــــــــــ !"

ان سے رخصت ہو کر میں ابو یوسفؒ کے گھر گیا تو ان کا جنازہ نکل رہا تھا، اور لوگ انبوہ در انبوہ جنازہ کے ساتھ تھے، میں بھی ساتھ ہو لیا، میں نے سوچا اگر معروف کو خبر کرتا ہوں تو جنازہ گذر جائے گا، اور وہ اسے نہیں پا سکیں گے، جب میں واپس آیا تو معروف کرخیؒ سے ملا، اور ان سے یہ واقعۂ وفات بیان کیا اور کہا،

"اگر آپ کو خبر دیتے میں آتا تو بھی آپ جنازہ نہیں پا سکتے تھے!"

میں نے دیکھا، جنازے میں شرکت نہ ہوسکنے کا معروف کرخیؒ کو بے انتہا صدمہ ہے۔ میں نے کہا،

"آپ اتنے مغموم کیوں ہیں ؟"

انھوں نے جواب دیا،

ایک خواب

"آج رات میں نے ایک خواب دیکھا تھا، گویا میں جنت میں ہوں، وہاں ایک بڑا شاندار محل ہے ــــــــــــ پھر اس محل کی ثنا و صفت بیان کی ــــــــــــ میں نے اہلِ جنت سے پوچھا،

"یہ محل کس کا ہے؟"

انہوں نے جواب دیا،

"یعقوبؒ قاضی کا"۔

میں نے پوچھا،

"کس بات پر یہ اس قصرِ جمیل کے مستحق ٹھہرے؟"

اہل جنت نے کہا،

"اس بات پر کہ انہوں نے علم کو پھیلایا اور لوگوں کی کڑوی کسیلی باتیں صبر شکر سے سنیں"

عالمِ رویا کا ایک واقعہ

ابو رجاء کہتے ہیں:

"میں نے محمد بن الحسنؒ کو خواب میں دیکھا، میں نے پوچھا،

"خدا نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

محمد نے جواب دیا،

"اللہ نے میری مغفرت فرما دی"!

میں نے پوچھا،

"اور ابو یوسفؒ کے ساتھ کیا گذری؟"

محمد نے کہا۔

"وہ مجھ سے ایک درجہ اونچے ہیں جنت میں"!

میں نے سوال کیا،

"اور ابو حنیفہؒ؟"

محمد نے کہا،

"وہ تو اعلیٰ علیین میں ہیں"!

فقیہہ کو موت آگئی

ابن ابی العوام طحاوی سے، اور وہ ابن ابی عمران سے، وہ حسین ابن عبد ویہ الوراق سے روایت کرتے ہیں کہ:

"جب ابو یوسفؒ کا جنازہ نکلا تو مشایعت کرنے والوں میں ابو یعقوب الحریمی بھی تھے، اس موقع پر لوگ کہہ رہے تھے:

"فقیہہ مرگئی"، ! !

"فقیہہ کا جنازہ نکل گیا"، ! !

یہ سنکر، ابو یعقوب الحریمی نے برجستہ ایک اثر انگیز، اور رقت انگیز مرثیہ کہہ دیا،

جنازہ میں ہارون کی شرکت

ہارون رشید خود جنازہ کے ساتھ تھا، اسی نے نماز پڑھائی اسی نے اپنے خاص قبرستان میں دفن کیا، اور دفن کرتے وقت کہا،

"اہل اسلام کو چاہیے کہ اس سانحۂ الیمہ پر ایک دوسرے سے تعزیت کریں،

گورستان قریش میں تدفین

امام صاحب کو گورستان قریش میں دفن کیا گیا، جو کرخ میں واقع ہے، ان کے پاس ہی ہارون رشید کے بیٹے "امین" اور بیوی "زبیدہ" کی بھی بعد میں قبریں، اسی جوار میں، امام موسے الکاظم رضی اللہ عنہ کا مزار بھی ہے، کاظمیہ میں جو لوگ آتے ہیں، وہ اس مزار کی زیارت ضرور کرتے ہیں،

ابن حجر کا خراج تحسین

ابو حنیفہؒ کے تلامذہ میں مرتبۂ امامت پر جو لوگ پہنچے، ان میں ایک ابو یوسفؒ بھی تھے،

ابن حجر کا قول ہے:

"بعض ائمہ کا قول ہے، اسلام کے ائمہ مشہورین میں سے کسی کو بھی وہ خصوصیت اور امتیاز نہیں حاصل ہے جو ابو حنیفہؒ کو حاصل ہے، ان کے اصحاب و تلامیذ جس پایہ اور مرتبہ کے ہیں کسی کے نہیں، کسی ایک امام سے، علماء، اور عوام نے منتفع نہیں

ہوئے، جتنے ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگردوں سے"!"

ملا علی قاریؒ کا بیان

علی القاری نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے:

"امت محمدیہ کا دو تہائی حصہ ابو حنیفہؒ کے مذہب کا پیرو اور مقلد ہے"!"

ابو یوسفؒ کا احسان فقہ پر

امر واقعہ یہ ہے کہ اگر امام ابو یوسفؒ نہ ہوتے تو فقہ اسلامی اتنی مکمل، مدون، منظم، اور مکمل صورت میں نظر آتی، یہ انہی کا فیض ہے کہ آج فقہ کا علم ایک مکمل علم ہے، اصول و فروع ہر جہت اور ہر لحاظ سے اس کی تکمیل ہو چکی ہے، بے شک وقت کے دوسرے آئمہ نے بھی اس سلسلہ میں بہت کچھ کیا ہے، لیکن جو کچھ امام ابو یوسفؒ کر گئے ہیں، وہ صرف انہی کا حصہ تھا، اور اس میں ان کا کوئی شریک نہیں،

•

فقہ حنفی کی یہ وسعت درحقیقت نتیجہ ہے ابویوسفؒ کی فکر رائے، اور اجتہاد واصابت فکر ورائے کا کوئی شبہ نہیں، آئمہ احناف میں دوسرے اکابر نے بھی اس سلسلہ میں بہت کچھ کیا ہے، لیکن ابویوسفؒ کے درجہ اور مرتبے تک کوئی نہ پہنچ سکا، یہی وجہ ہے کہ ہر دور، اور ہر زمانہ میں ابویوسفؒ کے علم و فکر کے سامنے لوگ سر جھکاتے رہے، !

•

یوسفؒ بن امام ابو یوسفؒ

بڑے باپ کا بڑا بیٹا،

عام طور پر بڑے لوگوں کے بیٹے اپنے باپ کی بالکل ضد ہوتے ہیں، زہد اور ورع، علم و فضل اور کمالات و حسنات میں، باپ جتنے بلند رتبے پر فائز ہے، بیٹا اتنا ہی پست اور فرومایہ ہے۔

لیکن امام ابو یوسف پر خدا کی جہاں اور بہت سی مہربانیاں تھیں ان میں ایک یہ تھی کہ انہیں اولاد صالح عطا ہوئی تھی، جو گفتار و کردار میں باپ کے نقش قدم پر چلتی تھی، علم و فضل میں جو اپنے بلند مرتبت باپ کا پرتو تھی، کمالات و حسنات میں جسے باپ سے پورا پورا حصہ ملا تھا،

امتیاز خاص

امام صاحب کو اپنے معاصرین پر متعدد اعتبارات سے فضیلت و مزیّت حاصل ہے چنانچہ اس اعتبار سے بھی انہیں مزیت اور امتیاز حاصل ہے کہ اپنے بعد، وہ ایک ایسا بیٹا چھوڑ گئے جو صحیح معنی میں ان کا جانشین تھا، جو ان کی خالی کی ہوئی مسند پر بیٹھا اور زندگی کی آخری سانس تک نہایت خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اپنی گراں بار ذمہ داریوں کو انجام دیتا رہا،

نیا قاضی القضاۃ

ہارون رشید نے امام ابو یوسف کی زندگی ہی میں ان کے صاحبزادے یوسف کو ان کا نائب بنا دیا تھا، پھر جب ان کا انتقال ہوا، تو ان کی جگہ وہی قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز کر دیئے گئے اور اس منصب پر اپنی وفات تک وہ قائم اور فائز رہے۔

عفیف اور مامون

وکیع القاضیؒ، ابراہیم بن ابی عثمانؒ سے، وہ عبداللہ بن عبدالکریم الحواریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ:

"یوسفؒ بن ابی یوسفؒ، عفیف اور مامون شخص تھے، صدوق اور عدول تھے، ابو یوسفؒ نے اپنی اکثر کتابوں کی ان پر قرآت کی، تدبیر قضا کے فن میں انہیں عبور کامل، اور دستگاہ کامل حاصل تھی، البتہ باپ کی طرح وسیع النظر اور قوی الحفظ نہیں تھے"!"

وفات حسرت آیات

امام ابو یوسفؒ کے صاحبزادے اور جانشین یوسفؒ کا انتقال ۱۹۲ھ میں ہوا، جیسا کہ ابن حبان نے لکھا ہے،

یوسفؒ کے حالات وسوانح خطیب نے بھی اپنی کتاب میں وضاحت کے ساتھ لکھے ہیں،

کتاب الآثار کی روایت

الحافظ عبدالقادر القرشی یوسف کے بارے میں کہتے ہیں:

"یوسفؒ نے اپنے والد ابو یوسفؒ سے کتاب الآثار کی روایت کی ہے، جس کی روایت انہوں نے ابو حنیفہؒ سے کی تھی، جو ایک طویل اور ضخیم کتاب ہے"!"

کتاب الآثار کی طباعت

یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے، لیکن افسوس کامل نہیں ناقص ہے،

یوسفؒ کے حالات وسوانح میں ایک مختصر رسالہ بھی لکھا گیا، جو بغداد سے شائع ہوا تھا، لیکن افسوس سعی بسیار کے باوجود وہ دستیاب نہ ہو سکا، ورنہ اس سے بھی حسب امکان ضرور فائدہ اٹھایا جاتا"!"

چند پند

الدّال علی الخیرِ کفاعلہٖ

•

نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والا، کارِ نیک کرنے والے کی طرح ہے ، . . .

•

امام ابوحنیفہؒ کو اپنے ہر شاگرد سے گہرا قلبی تعلق تھا، خاص طور پر امام محمدؒ، امام زفرؒ اور امام ابویوسفؒ کو وہ بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے، اور ان تینوں میں سب سے زیادہ ابویوسفؒ انہیں عزیز تھے،

اس دنیا سے رخت سفر باندھنے سے پہلے انہوں نے ایک وصیت نامہ امام ابویوسفؒ کے نام لکھا، شاید اس لئے کہ ان کی "فراست مومن" نے بھانپ لیا تھا کہ ابویوسفؒ صرف مسند درس پر اکتفا نہیں کر سکتے، ان کی بے پناہ علمی اور عملی صلاحیتیں ایک روز انہیں مرتبۂ قضا پر فائز کریں گی، اور کوئی شبہ نہیں، امام ابوحنیفہؒ کا یہ خیال بالآخر صحیح بھی ثابت ہوا، انہوں نے امام ابویوسف کے نام جو وصیت نامہ لکھا ہے، وہ ایسی دستاویز ہے جو تا قیام قیامت، اپنی افادیت کے اعتبار سے یادگار اور لازوال رہے گی،!

ابو یوسفؒ کیلئے ابو حنیفہؒ کی وصیت

ایک نہایت اہم تاریخی دستاویز

امام ابو حنیفہؒ اپنے شاگرد رشید ابو یوسفؒ کو صحیح معنی میں اپنا علمی جانشین سمجھتے تھے،

وصیت نامہ

چنانچہ انہوں نے وفات سے قبل، اپنے اس سعید شاگرد کے نام ایک وصیت نامہ تحریر کیا تھا، یہ وصیت نامہ جہاں پند و موعظت کے لحاظ سے ایک خاص چیز ہے وہاں نفسیاتی اعتبار سے بھی اسے غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، درحقیقت یہ وصیت نامہ صرف امام ابو یوسفؒ کے لئے نہیں بلکہ اپنے مغز و معنی کے اعتبار سے تمام آنے والی نسلوں کے لئے ایک قیمتی تحفہ، اور ایک گراں بہا اور گراں مایہ دستاویز ہے،

یوں تو یہ سارا وصیت نامہ نقطہ و معنی اور مغز و مفہوم کے اعتبار سے ایک لائق مطالعہ اور قابل غور چیز ہے، لیکن چونکہ خاصا طویل ہے، اور اس مختصر سی کتاب کا حجم بڑھانا مقصود نہیں ہے، اس لئے اس کے تمام ضروری اور اہم اجزا ہم ذیل میں درج کرتے ہیں، اس تلخیص کے باوجود کوئی ضروری اور اہم بات اس وصیت نامہ کی نظر انداز نہیں ہونے پائی ہے، اس کا پورا جوہر اور پوری روح ذیل میں درج ہے۔

وصیت نامہ کے الفاظ

اے یعقوب،!

سلطان کی عزت کرو،

اس کے علم منزلت کا خیال رکھو،

اور ہاں، !

اس کے پاس ہر وقت اور ہر حال میں آمد و رفت نہ رکھنا، اگر تم اس کے پاس زیادہ آئے گئے تو تمہاری وقعت کم ہو جائیگی اور تم اسکی نظر میں ہلک ہو جاؤ گے تمہاری قدر و قیمت گھٹ جائیگی، اس سے اس طرح ہوشیار رہو، جس طرح آگ سے بچتے ہیں آگ سے منتفع ہونا چاہیے لیکن اس سے دور رہنا چاہیے، قریب جانے میں جل جانے کا خطرہ ہے،

اور ہاں! ——— اس کے سامنے طول کلام سے بھی احتراز کرنا،

اہل دربار سے احتیاط رکھو

سلطان کے دربار میں اگر ایسے لوگ موجود ہوں جن سے تم واقف نہ ہو تو اور بھی احتیاط کرنا، کیونکہ جب یہ نہیں معلوم کہ ان کا رتبہ اور مرتبہ کیا ہے، تو ان سے تخاطب میں وہ سلوک یہ ممکن ہے مرعی نہ رہے جس کے وہ مستحق ہیں، اگر وہ مرتبہ میں تم سے عالی ہیں اور تم نے اس کا خیال نہ کیا یہ بدتمیزی ہے، اور اگر معمولی حیثیت کے لوگ ہیں لیکن تم نے بہت زیادہ ان کی توقیر کی، تو سلطان کی نظر میں تم حقیر اور کم مایہ ٹھہرو گے،

منصب قضا قبول کرنے میں جلدی نہ کرو

اور اگر سلطان تمہیں منصب قضا پیش کرے، تو اس وقت تک قبول نہ کرنا جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ وہ تمہارے فکر و نظر سے متفق ہے، تمہارے اجتہاد کو مانتا ہے، تمہارے مسلک کا قائل ہے، تاکہ تمہیں کوئی ایسی بات نہ کرنا پڑے جو تمہارے مسلک اور رائے کے خلاف ہو،

جس منصب کی تم میں صلاحیت اور استعداد نہ ہو اسے ہرگز قبول نہ کرنا،

سلطان کے حاشیہ نشینوں سے زیادہ میل جول نہ رکھو،

لوگوں سے صرف اتنی بات کہو جتنی وہ پوچھیں۔

کاروبار مت کرو

کاروبار سے زیادہ لگاؤ نہ رکھو، تاکہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ تمہیں مال سے بڑی رغبت ہے، اور لوگ تم سے بدظن ہو جائیں اور تمہیں راشی سمجھنے لگیں،

عام لوگوں کے سامنے نہ ہنسو نہ زیادہ مسکراؤ،

بازار میں آنا جانا کم کرو، کم عمر لڑکوں سے بات چیت نہ کرو، نہ میل جول رکھو کیونکہ یہ ایک فتنہ ہے۔

البتہ بچوں کے سر پر ہاتھ پھیر سکتے ہو، اور ان سے باتیں کرسکتے ہو،

دکانوں پر نہ بیٹھو، عام گذر گاہوں میں نہ اٹھو بیٹھو، بازار میں کھاؤ پیو نہیں،

نہ مساجد میں کھاؤ پیو، نہ بہشتیوں کے ہاتھ سے راہ چلتے پانی پیو،

لباس فاخرہ مت استعمال کرو

دیباج اور ریشم کے کپڑے نہ پہنو، زیور نہ استعمال کرو، اس سے رعونت پیدا ہوتی ہے، ——— !

دوسری عورتوں کے بارے میں اپنی بیوی کے سامنے باتیں نہ کرو،

اگر ایک سے زائد شادی کرو، تو ہر بیوی کو الگ گھر میں رکھو، دوسری شادی اس وقت تک نہ کرو، جب تک اس کا یقین کامل نہ ہو جائے کہ تم ان زائد مصارف کے متحمل ہو سکو گے اور یہ بار آسانی سے برداشت کر لوگے،

پہلے علم حاصل کرو، پھر مال جمع کرنے کی سعی کرو، لیکن مال حلال، پھر شادی کرو،

اللہ سے ڈرتے رہو

اللہ سے ڈرتے رہو، امانت میں خیانت نہ کرو، خاص و عام سب کو راہِ نیک کی دعوت دیتے رہو ——— !

عوام سے اصول دین کے بارے میں بات چیت مت کیا کرو،

اگر دس سال بھی بے زری اور افلاس میں گذر جائیں تو بھی علم سے منہ نہ موڑو،

بازاری لوگ، اور عوام اگر تم سے مناقشے پر اتر آئیں تو تم ان سے مناقشہ مت کرنا، اس طرح تمہاری بے وقعتی ہوگی،

حق بات کہنے سے مت جھجکو

حق بات کہنے سے کسی سے خوف مت کھاؤ، خواہ وہ سلطان وقت ہی کیوں نہ ہو،

جو بات کہو، جب بحث کرو یا مناظرہ، تو دلیل کو مقدم رکھو، جن لوگوں سے بحث کرو، ان کے اساتذہ اور شیوخ پر طعن نہ کرو،

اپنا ظاہر و باطن ایک رکھو،

زیادہ مت ہنسو، اس سے دل مرجاتا ہے،

آہستہ روی اختیار کرو، لپک کر نہ چلو، کسی معاملہ میں بھی جلدبازی سے کام نہ لو، جب بات کرو تو چیخو مت، بلند آہنگی سے کچھ حاصل نہیں،

قرآن کی تلاوت خوب کرتے رہو، اللہ کا ذکر زیادہ سے زیادہ کرو، اس کا شکر ہر حال میں ادا کرو،

ہر مہینے روزے رکھو

ہر مہینہ میں چند روزے ضرور رکھا کرو، اپنے نفس کی نگہبانی کرو، اسے غلام بنا لو، خود اس کے غلام نہ بنو،

لوگوں کی پیروی صواب میں کرو، خطا میں نہیں،

اگر کسی صاحب اقتدار و سطوت شخص کو تم کوئی ایسی حرکت کرتے دیکھو، جو دین میں خلل کی موجب ہو، تو اسے ٹوک دو، اس کی وجاہت اور سطوت کی ذرا پروا نہ کرو، اللہ تمہارا ناصر و معین ہوگا، وہی اپنے دین کا بھی ناصر اور معین ہے، ایک مرتبہ اگر یہ کر لیا تم نے تو یہ لوگ تم سے دہشت کھائیں گے، اور پھر کوئی تمہارے سامنے اظہار بدعت کی جرأت

نہیں کرے گا۔

سلطان وقت کو ٹوک دو

اگر تم سلطان وقت کو دین کے خلاف کچھ کرتے دیکھو تو گو تم اس کے ملازم ہو لیکن اسے اس کی غلطی جتلا دو بے شک وہ تم سے زیادہ طاقتور ہے، اس سے کہو میں آپ کا مطیع اور خیر خواہ ہوں لیکن آپ کی یہ بات دین کے خلاف ہے اگر دوبارہ پھر اس سے ایسی حرکت سرزد ہو تو اکیلے میں سمجھاؤ، اگر قبول کرلے تو ٹھیک ہے، نہ مانے تو خدا سے دعا کرو کہ وہ تمہیں اس سے محفوظ رکھے،

موت کو یاد رکھو

موت کو یاد رکھو،

اپنے اساتذہ کے لئے دعا مغفرت کرتے رہا کرو،

زیارت قبور کو بھی اپنے معمولات میں داخل کرلو ــــــــــــــــ!

اہل ہوا کے ساتھ نشست برخاست نہ رکھو، ہاں مگر بسبیل دعوت دین وصراط مستقیم ــــــــــــ!

طعن وشتم سے پرہیز کرو،

اذان سنتے ہی مسجد کا رخ کرو،

بخل سے بچو،

صاف ستھرے کپڑے پہنا کرو،

اپنی بود وباش اور رہن سہن سے غنا کا اظہار کیا کرو، فقر وافلاس کا نہیں، اگرچہ محتاج اور مفلس ہی کیوں نہ ہو،

ہمت بلند رکھو،

چلتے وقت دائیں بائیں نہ دیکھا کرو،

دُنیا کو حقیر سمجھو

دنیا کو حقیر سمجھو،

دوپہر اور شام کے وقت حمام نہ کرو،

مجلس درس میں غصہ نہ کرو،

بے رخی اور، کج اخلاقی سے پیش نہ آؤ،

لوگوں کو قصے کہانیاں سنایا کرو،

کسی سے جب کوئی کام لو، تو عام لوگوں کے مقابلہ میں اسے اُجرت کچھ زیادہ دے دیا کرو،

بیہودہ اور اوباش لوگوں سے بات چیت نہ کیا کرو،

لوگوں کے بھید دوسروں پر افشا نہ کرو،

قصر سلطان کے آس پاس اپنا گھر نہ بناؤ،

اگر تم سے کوئی مشورہ کرے کسی باب میں، تو جو کچھ نیک صلاح دے سکتے ہو دے دو،

حرص سے بچو

حرص سے بچو،

رغبتِ دنیا سے بچو،

جھوٹ نہ بولو،

طمع نہ کرو،

ہر طرح کے لوگوں سے گھل مل نہ جایا کرو،

ہمّت کو پست نہ ہونے دو

اگر تم نے اپنی ہمّت پست کر لی تو خود بھی سربلند نہ رہ سکو گے،

دنیا کو فرومایہ سمجھو،

مظالم سلاطین کے وقت تم موجود نہ رہو، بجز اس صورت کے کہ اگر تم نے کوئی بات

کہی، یا ٹھیک صلاح دی، تو اسے تسلیم کر لیا جائے گا'!"

مگر سلاطین کے مظالم کو تم خاموشی سے دیکھتے رہے، اور تم نے انہیں روکا اور ٹوکا نہیں، تو تمہارے سلوک کے باعث لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ ظلم مبنی برحق ہے،

اپنی صالح دعاؤں میں مجھے یاد رکھو،

میری یہ نصیحت قبول کرو،

میری یہ وصیت تمہارے اور مسلمانوں کے نفع کے لئے ہے'!"

حرفِ آخر

اس وصیت نامہ کا ایک ایک لفظ پڑھنے اور غور سے پڑھنے کے قابل ہے،

زندگی کی تعمیر اور تشکیل کے اس میں وہ طریقے بتائے گئے ہیں کہ اگر ان پر سچائی کے ساتھ عمل کیا جائے تو بلاشبہ انسان اپنی زندگی کو اس سانچے میں ڈھال لے سکتا ہے جو اسلام نے ایک مسلمان کے لئے تجویز کیا ہے، اور سچ پوچھئے تو اگر اس سانچے سے زندگی ہٹی ہوئی ہے تو وہ زندگی نہیں، زندگی کی تہمت ہے'! ٥

امام ابو حنیفہؒ کے اس وصیت نامہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے دل میں امام ابو یوسفؒ کی محبت کس درجہ جاگزیں تھی ؛ وہ انہیں کس مرتبہ پر فائز دیکھنا چاہتے تھے ؛ ان کے علم و فضل، اخلاق و کردار میں کیسی پختگی پیدا کرنا چاہتے تھے، اور کون کہہ سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے معیار کو ابو یوسفؒ نے عمل میں لا کر نہیں دکھا دیا ؟

ابو حنیفہؒ نے جو چاہا تھا، ابو یوسفؒ وہی بنے، !

خوش قسمت استاد،

خوش قسمت شاگرد،

کتابیات

اس کتاب کی تدوین و تالیف میں بہت سی کتابوں سے مدد لی گئی ہے، بہت سے کتب خانے کھنگالے گئے ہیں، اور کسی نہ کسی طرح ان کتابوں تک بھی رسائی ہوئی ہے، جو نادر و نایاب ہیں اور دُنیا کے بعض کتب خانوں میں ان کا صرف ایک ہی نسخہ موجود ہے،

ساری کتابوں کی فہرست ——— جن سے استفادہ کیا گیا ہے ——— دینا تو طول عمل ہوگا، البتہ خاص خاص کتابیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں، جن سے مصنف نے فائدہ اٹھایا ہے،

کُتُبِ مخصُوصہ

	نام کتاب	مصنف	صفحہ
۱	اخبار الحفاظ	ابن جوزی ؒ	۱۴
۲	اخبار ابی حنیفہؒ و اصحابہ	طحاوی،	۷۳
۳	اخبار ابی حنیفہؒ و اصحابہ	صیمری،	۱۷
۴	اخبار القضاۃ	وکیع القاضی	۴۱

نام کتاب	مصنف	صفحہ
۵۔ اخبار القضاۃ	.. ابن کامل الشجری	۳۰
۶۔ اختلاف علماء الامصار ..	.. ابویوسف ،	
۷۔ ادب القاضی	.. ابویوسف ،	
۸۔ اصول الفقہ علی مذہب ابی حنیفہؒ	.. ابویوسف ،	
۹۔ اصول	.. جصاص	۹۸
۱۰۔ الامالی	.. ابویوسفؒ	۳۲
۱۱۔ الامم	.. الکورانی	۹۶
۱۲۔ الانصاف فی اسباب الخلاف	.. الدھلوی	۳۳
۱۳۔ البرہان	.. الجوینی	۸۷
۱۴۔ تاج التراجم	.. علامہ قاسم	۳۲
۱۵۔ تاریخ اصفہان ..	.. ابوالشیخ	۵۹
۱۶۔ تاریخ بخاری ..	.. نرشخی	۷۲
۱۷۔ تفسیر	.. الاشعری	
۱۸۔ تفسیر	.. الجہانی	
۱۹۔ تفسیر	.. عبدالجبار	
۲۰۔ تفسیر	.. القزوینی	
۲۱۔ تفسیر	.. النقاش	
۲۲۔ التفہیمات الالہیہ ..	.. الدہلوی	۹۷
۲۳۔ الثغر البسام فی قضاۃ الشام	.. ابن طولون	۴
۲۴۔ الثقات ..	.. ابن حبان	۴
۲۵۔ الجعدیات ..	.. علی بن الجعد	۲۳

نام کتاب		مصنف	صفحہ
۲۶۔ جلاء الفہوم فی رؤیۃ المعدوم	..	کورانی	۹۶
۲۷۔ الجلیس الصالح	..	معافی نہروانی	۴۲
۲۸۔ الجواب الشریف	..	نابلسی	۶۰
۲۹۔ جوامع الفقہ	..	ابویوسف	
۳۰۔ حجۃ اللہ البالغہ	..	الدہلوی	۹۷
۳۱۔ کتاب الحج الکبیر والصغیر	..	عیسیٰ بن ابان	۹۸
۳۲۔ ذیل رفع الاصر	..	سخاوی	۴
۳۳۔ رفع الاصر عن قضاۃ مصر	..	ابن حجر	۴
۳۴۔ الرد علی سیر الاوزاعی	..	ابویوسف	۳۲
۳۵۔ الرد علی مالک	..	ابویوسف	
۳۶۔ روضۃ القضاۃ	..	سمنانی	
۳۷۔ سدرسیات	..	رازی	
۳۸۔ کتاب السر المعز	..	ابی مالک	
۳۹۔ رسائل	..	قفقانی	
۴۰۔ شرح المشکاۃ	..	———	
۴۱۔ شن الغارہ	..	ابن حجر مکی	
۴۲۔ طبقات الفقہا	..	ابن کمال	
۴۳۔ عقد الجید	..	———	
۴۴۔ فضائل ابی حنیفہ واصحابہ	..	ابن ابی العوام	
۴۵۔ الفنون	..	ابوالوفا ابن عقیل	
۴۶۔ فیض الباری	..	———	

نام کتاب		مصنف
۴۷۔ فیوض الحرمین	..	الدہلوی
۴۸۔ قصد السبیل	..	کورانی
۴۹۔ قضاۃ الاندلس	..	نباہی
۵۰۔ قضاۃ قرطبہ	..	خشنی
۵۱۔ قلائد عقود العقیان فی مناقب ابی حنیفۃ النعمان		ابو القاسم شرف القربتی الزبیدی
۵۲۔ کشف المغطی	..	ابن عساکر
۵۳۔ کفایہ	..	الشیبی
۵۴۔ الکواکب الدراری	..	ابن زکنون
۵۵۔ رواۃ الاکابر عن مالک	..	ابن مخلد العطار
۵۶۔ مغازی	..	ابن اسحاق
۵۷۔ مناقب ابی یوسف	..	ذہبی
۵۸۔ "	..	قوی
۵۹۔ "	..	زیلی
۶۰۔ مؤلفات الجصاص	..	
۶۱۔ مؤلفات ناقد فی الائمۃ الفقہا الاستاذ الکبیر محمد ابو زہرہ		
۶۲۔ معرفۃ التاریخ و العلل	..	ابن معین
۶۳۔ مناقب الشافعی	..	فخر رازی
۶۴۔ ناظورۃ الحق	..	مرجانی
۶۵۔ التاریخ الکبیر		
۶۶۔ النجوم الزاہرہ فی قضاۃ القاہرہ	..	سبط ابن حجر

مستشرقین کا کارنامہ

یورش تاتار، اور دوسرے ہنگاموں بلکہ خانہ جنگیوں سے سب سے بڑا نقصان ملت اسلامیہ کو یہ پہنچا کہ صدیوں کا جمع کیا ہوا، مسلمانوں کا ذہنی و دماغی، اور علمی سرمایہ بھی ضائع ہوگیا، اور اس طرح ضائع ہوا کہ اب کہیں اس کا سراغ اور نشان نہیں ملتا،

مستشرقین کی جماعت مستحق تبریک و ستائش ہے کہ اس نے اس طرف توجہ کی، اور بے دریغ روپیہ صرف کرکے، ہر طرح کی دشواریوں اور موانع کا مقابلہ کرکے، تکلیفیں جھیل کے، سفر کے مصائب سہ کے، نہ جانے کہاں کہاں سے علم کے یہ موتی تلاش کئے اور انہیں ایک لڑی میں پرو دیا

دار الکتب المصریہ، کتب خانہ ظاہریہ دمشق۔ آستانہ (قسطنطنیہ) اور حیدر آباد (دکن) کے کتب خانے بھی بڑے گراں مایہ ہیں، ان میں بعض ایسی کتابیں علم کے متلاشی کو مل جاتی ہیں، جو کہیں اور نہیں ملتیں،

بہرحال جس طرح اور جہاں تک ممکن ہوا اس کتاب کے سلسلہ میں طلب و جستجو کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا گیا، ۞

سرزمین پاک و ہند میں تحریک مجاہدین کی

مکمل سرگزشت

سید احمد شہید از فاضل مصنف کی بیست سالہ تحقیق و جستجو اور محنت شاقہ کا شاہکار۔ مجاہد کبیر حضرت سید احمد بریلوی کے سوانح حیات جس کا مطالعہ ہمارے لیے ذہن و فکر کی راہیں کھولتا ہے، بلکہ اس میں مسلمانوں کی اس جد و جہد کے نقوش بھی ملتے ہیں، جن کی صداقت کے ... "مضامین" کا شاہکار ہے دین و سیاست کے معرکہ کی یادگار۔ اس برصغیر میں اسلام اور مسلمانوں کو سمجھنے کے لیے اہم دستاویز۔ اردو میں آج تک ایسی اہم تاریخی کتاب شائع نہیں ہوئی۔ نقشوں سے مزین۔ مجلد

ضخامت ۹۰۰ صفحے

قیمت بارہ روپے

★

جماعت مجاہدین سید احمد شہید اور ان کے رفقاء ہماری تاریخ کے وہ نادر الوجود مشاہیر ہیں، جن کے حالات و سوانح پر صد سالہ فراموش کاریوں کی گرد بھی پڑی تھی۔ یہ وہ بزرگ تھے جنہوں نے شدید مخالف ہواؤں میں احیائے دین اور آزادی وطن کے چراغ جلائے۔ ہم قوموں اور ہم وطنوں کے لیے عزت مندانہ قومی زندگی کے کبھی نہ مٹنے والے نشان قائم کیے۔

"جماعت مجاہدین" میں پہلی مرتبہ ہماری قومی تاریخ کے یہ شاندار ابواب پیش کیے جا رہے ہیں۔ ان اوراق کا مطالعہ ہمیشہ دلوں کو ایمان کی حرارت سے لبریز رکھے گا اور اسلامیت و آزادی کے لیے ایثار و قربانی کے جذبات میں کبھی افسردگی نہ آنے دے گا۔

"جماعت مجاہدین" میں سید احمد شہید کی جماعت کے اصول تنظیم صحیح ترتیب کے ساتھ تفصیلاً پیش کیے گئے ہیں اور ساتھ ہی ان مجاہدین کے سبق آموز سوانح درج ہیں، جو سید احمد شہید کی اسلامی تربیت کے بہترین نمونے تھے۔ جن حضرات نے "سید احمد شہید" کا مطالعہ فرمایا ہے ان کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

سائز ۲۰×۳۰/۱۶

ضخامت ۳۲۵ صفحات

قیمت سات روپے

★

سرگزشت مجاہدین اس میں ان صد سالہ بکھرے ہوئے حالات کو ترتیب دیا گیا ہے جو مجموعی حیثیت سے ہمارے قومی مجاہدین کی مکمل تاریخ کا شاندار باب ہیں اور جن کے مطالعہ سے نہ صرف ہمارے دور زوال کا پس منظر نگاہوں کے سامنے گھوم جاتا ہے بلکہ مستقبل کی عظیم عمارت آزادی کی بنیادوں کا سراغ بھی ملتا ہے۔ سرفروشان اسلام کے ولولہ خیز حالات، اسلام اور آزادی کے لیے بے دریغ قربانیاں، میدان جنگ میں عزم و استقلال کی بے نظیر مثالیں، مقدموں کی تفصیل، قیدیوں کی خوفناک سختیاں، خانمان وطن کی بے وطنی، مال و املاک کی ضبطی، غرض سب کچھ مستند اور تاریخی نقطۂ نظر کے معیار کو ملحوظ رکھتے ہوئے بیان کیا ہے۔ یہ داستان آج تک کسی بھی زبان میں مرتب نہیں ہوئی اور پہلی مرتبہ پیش ہو رہی ہے۔

سائز ۲۰×۳۰/۱۶

ضخامت ۵۰۰ صفحات

قیمت بارہ روپے

★

کتاب منزل پوسٹ بکس ۵۲۸ لاہور

طوبیٰ ریسرچ لائبریری

اسلامی اردو، انگلش کتب،

تاریخی، سفر نامے، لغات،

اردو ادب، آپ بیتی، نقد و تجزیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com